رسم
نبیلہ عزیز
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

# رسم

''طلاق ؟'' کتنی ہی دیر سے اس کے دماغ میں اس ایک لفظ کی بازگشت ہو رہی تھی اور کتنی ہی دیر سے وہ کچھ کہہ نہیں سکا تھا۔ اس کے لب ہی خاموش نہیں ہوئے تھے وہ تو جیسے سر سے پاؤں تک خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ دوسری طرف سے طلاق کا مطالبہ بھی ہو سکتا ہے۔

''کیوں برخوردار خاموش کیوں ہو گئے؟'' سید سراج حسین کی بارعب آواز پہ وہ یکدم چونک کر اس سنگین لفظ کے حصار سے باہر آیا تھا اور محض چند سیکنڈز میں ہی اپنے تمام تاثرات پہ قابو پاتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''یہ فیصلہ آپ کا ہے یا پھر میری زوجہ محترمہ کا؟'' اس کا لہجہ دوبارہ سے پُر سکون اور ہموار ہو چکا تھا۔

''فیصلہ چاہے کسی کا بھی ہو تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔'' وہ بھی کافی تحمل سے بولے تھے۔

''کیوں نہیں ہونا چاہئے مرشد سائیں؟ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔'' اس نے لفظ ''میری زندگی'' پہ کافی زور دے کر کہا تھا۔

''یہ تمہاری زندگی کا ہی نہیں برخوردار ہماری عزت، غیرت اور رسم و رواج کا معاملہ بھی ہے، جو بقول تمہارے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، مگر تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے لئے ہماری عزت، غیرت اور رسم و رواج موت اور زندگی کی سی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے لئے ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' ایک پل کے لئے سید سراج حسین کی رنگت غصے کی آنچ سے سرخ پڑ گئی تھی۔

''مرشد سائیں آپ کو شاید میری بات سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کی عزت و غیرت کو غیر اہم کہنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ البتہ آپ کے رسم و رواج کے خلاف میں کل بھی تھا اور آج بھی ہوں، آپ نہ جانے کب سے اس بے جا رسم پہ عمل کرتے ہوئے کتنی زندگیاں تباہ کر چکے ہیں اور کتنے دلوں کو برباد کیا ہے آپ لوگوں نے؟ لیکن ایک بات یاد رکھیں مرشد سائیں اس بار میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، میں اپنے دل سے وابستہ ایک دل کو عمر بھر کی تنہائی اور خاموشیاں نہیں سونپنے دوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' وہ کافی مضبوط اور سنجیدہ لہجے میں کہتا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''دیکھو لڑکے! آج سے کچھ عرصہ پہلے ایک فیصلہ تم نے کیا تھا اور اپنی بات منوائی تھی، لیکن ہم چپ رہے تھے۔ آج ایک فیصلہ ہم کر رہے ہیں اور اپنی بات منوائیں گے، لیکن تم صرف چپ رہو گے۔'' وہ انتہائی دوٹوک اور غصیلے انداز میں بولے تھے، لیکن کسی سے مرعوب ہونے والا اور اپنے مقام سے پیچھے ہٹنے والا وہ بھی نہیں تھا، وہ اگر سید فرید حسین کے بیٹے تھے تو وہ بھی سلطان گردیزی کا اکلوتا لاڈلا پوتا تھا، اپنی وسیع جاگیر کا تنہا وارث!

''میں حق پہ تھا اور میں نے ایک جائز فیصلہ کیا تھا، جبکہ آپ سراسر ظلم کر رہے ہیں۔'' وہ ان کی ہر بات، ہر فیصلے سے انکاری تھا۔

''اگر مظلوم خود کہہ دے کہ مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوا تو پھر؟'' سید سراج حسین فخریہ انداز میں سکون سے بولے تھے، لیکن وہ یکدم بُری طرح سے چونک گیا تھا، ایک پل میں اس کی سوچ کہاں سے کہاں چلی گئی تھی، مگر پھر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

''کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس نے بغور ان کا چہرہ جانچا تھا۔

''جو تم بخوبی سمجھ چکے ہو۔'' وہ ابھی بھی پُر سکون تھے۔

''لیکن میں طلاق پھر بھی نہیں دوں گا۔'' اس نے سختی سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''دیکھو تم شاید بھول رہے ہو کہ اس وقت بھی تم نے یکطرفہ فیصلہ کیا تھا اور آج بھی تم یکطرفہ فیصلے پہ اڑے ہوئے ہو وہ تمہارے فیصلے میں نہ کل شامل تھی اور نہ آج ہو گی، تمہاری زبردستی کرنے سے کچھ نہیں ہو گا۔'' انہوں نے اس کی ہمت توڑنے کی ایک بھرپور کوشش کی تھی، لیکن وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

''میں ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں، پھر آپ نے جو کہا میں وہی کروں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، ایک مرد کا وعدہ۔'' اس نے کافی سلیقے سے ان کو اپنی بات پہ لانا چاہا تھا۔

''تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' انہوں نے غصے سے کہا تھا۔

''جی میں جانتا ہوں کہ میں 'اپنی بیوی' سے ملنے کی اجازت اس کے چچا حضور سے مانگ رہا ہوں۔'' اس نے بڑے احترام سے طنز کا تیر چھوڑا تھا۔

''اور اگر ہم اس چیز کی اجازت نہ دیں تو؟'' وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے تھے انداز میں سختی تھی۔

''تو پھر دوبارہ کبھی طلاق کے لفظ کو سوچیے گا بھی مت!'' وہ ان کے لئے حد سے زیادہ ٹیڑھا ثابت ہو رہا تھا۔

''برخوردار ہم چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ گھر کا ہے تو گھر میں ہی نبٹ جائے نہ تمہاری عزت بگڑے اور نہ ہمارا نام اُچھالا جائے، ورنہ کوٹ کچہری تک جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے ہمارے لئے۔'' انہوں نے اسے تقریباً دھمکی دی تھی جیسے کچھ باور کروانا چاہا ہو۔

''ٹھیک ہے مرشد سائیں آپ اگر کورٹ کچہری تک جانے کا شوق بھی پورا کرنا چاہتے ہیں تو یہی کر لیتے ہیں اب میں آپ کی طرف سے عدالتی کارروائی کا منتظر رہوں گا اور دیکھوں گا کہ عدالت اور شریعت کا مجرم کون ہے؟'' وہ ان کے منہ سے عدالت کا ذکر سن کر بہت خوش ہوا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ کبھی بھی عدالت کا رخ نہیں کریں گے۔

''لیکن میں آپ سے پھر یہی کہوں گا کہ میں ایک بار روبرو اس سے ملنا چاہتا ہوں، پھر چاہے تو طلاق ہو جائے اور چاہے تو......'' وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا جبکہ سید سراج حسین شدید کشمکش کا شکار نظر آ رہے تھے، جیسے فیصلہ اور اس کا انجام سوچ رہے ہوں۔

''دیکھیے مرشد سائیں میں ایک مرد بچہ ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے عزت دار اور غیرت مند بھی ہوں، اپنا وعدہ، اپنی زبان نبھانا جانتا ہوں، آپ فکر نہ کریں، یکطرفہ فیصلہ اور کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔'' اس نے انہیں بھرپور یقین دہانی کروائی تھی اور وہ کچھ سوچتے ہوئے صوفے سے کھڑے ہو گئے تھے۔ جیسے کسی نتیجے پہ پہنچ گئے ہوں۔

''ٹھیک ہے کل تم حویلی آ جانا۔'' وہ کہہ کر رکے نہیں تھے، بلکہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے باہر آ گئے تھے، جہاں ان کے سیکورٹی گارڈز

الرٹ کھڑے تھے، جبکہ وہ ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ گم سم کھڑا تھا، اس کی سوچ کہیں اور تھی، کیونکہ اس سارے قصے میں ایسا ''ایک نقطہ'' بھی تھا جو فراموش نہیں ہو سکتا تھا، مگر اسی نقطے پہ نہ انہوں نے بات کی تھی نہ ہی اس نے خود ذکر کیا تھا، حالانکہ سب سے اہم پوائنٹ وہی تھا اور اسی پہ بات نہیں ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

''شہر بانو! سنا ہے تمہاری شادی ہونے والی ہے؟'' سید سراج حسین کی بڑی بیٹی زہرا نے کافی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ نے سنا ہے تو ٹھیک ہی سنا ہوگا۔'' شہر بانو ابھی ابھی وضو کر کے آئی تھی اور نماز پڑھنے کے لئے سر پہ دوپٹہ لپیٹ رہی تھی، جب اس کی چچا زاد بہن اپنے چہرے پر ڈھیروں تجسس سجائے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، لیکن شہر بانو نے کچھ خاص رسپانس نہیں دیا تھا، بس نارمل سے انداز میں جواب دے کر آگے بڑھ گئی تھی، لیکن زہرا واپس جانے کی بجائے وہیں بیٹھ کر اس کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی، اسے شہر بانو کی شادی کا سن کر بہت تجسس اور دلچسپی ہو رہی تھی کہ آخر شہر بانو کا کیا بنے گا، وہ کیا کرے گی؟ کیسے رہے گی عمر بھر اس طرح؟ کیونکہ اس شادی، اس رسم کو نبھانا تارک الدنیا ہو جانے کے برابر ہی تھا، ہر دنیاوی چیز کو چھوڑ دینا اتنا آسان کام نہیں تھا جیسے پھوپھو فاطمہ زندگی بسر کر رہی تھی، اسی طرح اب شہر بانو کو بھی زندگی گزارنا تھی۔

''کیا بات ہے زہرا آپی، آپ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟'' زہرا کی سوچ کا تسلسل شہر بانو کی آواز سے ٹوٹا تھا، جو نماز پڑھ کر آ چکی تھی۔

''کچھ نہیں شہر بانو میں سوچ رہی تھی کہ تم کس طرح سب کچھ چھوڑ دو گی؟ دن رات عبادت میں کیسے گزارو گی؟ زندگی تو پورے گھر میں گزارنے کیلئے ہوتی ہے، گھر کے ایک کونے میں نہیں۔'' زہرا بے چاری سچ ہی تو کہہ رہی تھی، مگر اس رسم کو زندہ جاوید رکھنے والوں کو بھلا کون سمجھاتا؟

''اگر پھوپھی فاطمہ اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے یہ سب کر رہی ہیں تو میں بھی کرلوں گی وہ بھی تو میرے جیسی اور میری ہم عمر ہی تھیں جب انہوں نے یہ شادی کی تھی۔'' وہ بے حد نرمی سے بولی تھی، جبکہ زہرا نے ناگواری سے دیکھا تھا۔

''اونہہ میں ہوتی تمہاری جگہ تو میں تو ایسا ہرگز نہ کرتی یہ بھی بھلا کوئی رسم ہے؟'' زہرا اپنے بڑوں کے خلاف تھی اور مزاج میں بھی خاصی تیز طرار تھی، لیکن شہر بانو سب لڑکیوں میں سے خاصی خاموش طبع، ڈھیلی ڈھالی سی نرم فطرت کی لڑکی تھی، کسی سے لڑنا جھگڑنا یا اپنے حق میں بولنا اسے ہرگز نہیں آتا تھا، وہ کسی بھی ناانصافی اور زیادتی پہ بول ہی نہیں سکتی تھی، بڑوں کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ اس کی نظر میں جیسا ہے، جو بھی ہے بس اچھا ہے۔ وہ کبھی کسی چیز پہ اعتراض نہیں کرتی تھی، کچھ لوگ اس کی اس فطرت کو اس کی ''ادا'' سمجھتے تھے، لیکن سچ تو یہ تھا کہ اس کی خوبصورتی ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ جو بھی کہتی، جو بھی کرتی وہ اس کی ادا بن جاتا تھا۔

''شہر بانو انکار کر دو اس قسم کی شادی سے، صرف کلمے ہی تو پڑھنے ہیں اور پھر عمر بھر کے لئے ایک کوٹھڑی میں بیٹھ جانا ہے۔''

''نہیں زہرا آپی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''لیکن یار میں ہوتی تو ضرور سوچ سکتی تھی۔''

''مجھ میں اور آپ میں فرق بھی تو بہت ہے، میں سید معراج حسین کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ شہر بانو، جس کے ماتھے پر صدقے کی لکیر ہے اور آپ سید سراج حسین کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زہرا بتول ہیں جس کے ماتھے پہ شادی کی لکیر ہے اور یہی لکیر ہمیں ایک دوسرے سے مختلف بناتی ہے۔'' وہ کافی سادگی سے بولی تھی۔

''لیکن شہر بانو......'' زہرا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''نہیں زہرا آپی ایسا کچھ نہیں ہوسکتا، میں جانتی ہوں آپ میرے لئے اچھا سوچ رہی ہیں، لیکن ساتھ میں یہ بھی تو ہے کہ میں اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے اچھا سوچ رہی ہوں، میری ایسی زندگی بھلا کس کام کی جو میرے اپنوں کے کام نہ آئے، میں تو خوش قسمت ہوں جسے انہوں نے ''صدقہ'' بننے کا اعزاز دیا ہے۔''

شہر بانو نے نرم ملائم لہجے میں کہتے ہوئے زہرا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ سمجھنے والی نہیں تھی، اسی لئے اللہ نے اس کی مدد کے لئے مریم کو بھیج دیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے بھئی دونوں کزنز بڑے سنجیدہ موڈ میں لگ رہی ہو؟'' مریم نے مسکراتے ہوئے آکر شہر بانو کو کہنی ماری تھی۔

''کچھ نہیں، بس ایسے ہی باتیں کر رہے تھے۔'' اس نے بات کو ٹال دیا تھا، وہ ہر ایک کے سامنے اس شادی کے ذکر کو چھیڑ کر ان کے سوالوں کا نشانہ نہیں بن سکتی تھی، بلکہ وہ تو ہر ممکنہ طور پہ اس ذکر سے بچنے کی کوشش کرتی تھی۔

''لگتا ہے اس حویلی میں اللہ نے ایک یہی ''سعادت مند'' روح بھیجی ہے، جو سب چاہتے ہیں وہی کرتی ہے۔'' زہرا نے شہر بانو کو دیکھ کر طنزیہ کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی، شہر بانو چپ کھڑی تھی۔

''اونہہ پاگل!'' وہ سر جھٹک کر چلی گئی تھی۔

***

وہ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ بڑی اماں کا پیغام رساں آگیا۔

''صاحب جی! بڑی اماں نے آپ کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔'' ملازمہ نے مؤدب سے لہجے میں پیغام دیا تھا، لیکن اسے اس پیغام سے کافی حیرانی ہوئی تھی۔ بھلا اس وقت آدھی رات کو ایسا کون سا ضروری کام آن پڑا تھا کہ انہوں نے اسے اپنے کمرے میں فوری طلب کیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں ابھی آتا ہوں!'' اس نے اپنی حیرت کنٹرول کرتے ہوئے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا تھا اور پھر جائے نماز سمیٹ کر بیڈ سے اپنی گرم چادر اٹھا کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے خود بھی باہر نکل آیا تھا۔ باہر پوری حویلی میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ راہداری اور ہال کمرے کے تمام فانوس بجھے ہوئے تھے، البتہ نائٹ بلب ہر دیوار پہ روشن تھے، جن کی مدھم روشنی میں وہ مضبوط قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر آیا تھا۔ بڑی اماں کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے ٹیوب لائٹ کی روشنی ایک لکیر کی سی صورت باہر تک آرہی تھی۔

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' اس نے دستک دے کر اجازت چاہی تھی۔

''آجاؤ میرے بچے آجاؤ، اپنی دادی سے اجازت کیسی؟'' بڑی اماں اپنے جہازی سائز بیڈ پہ گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے تسبیح ہاتھ میں پکڑے نیم دراز بیٹھی تھیں، اس کی آواز سن کر اپنی کہنی کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم بڑی اماں آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی تشویش کا اظہار کیا تھا۔

''ہاں پتر میں بالکل ٹھیک ہوں تم یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' انہوں نے کمبل ہٹا کر اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی تھی۔ وہ سعادت مندی سے ان کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا، مگر چونکا وہ اس وقت جب اس کی نظر دائیں دیوار سے لگے صوفے کی سمت اٹھی تھی، جہاں اس وقت اس کے ابا سائیں اور اماں سائیں براجمان تھے اور کافی متفکر نظر آرہے تھے۔

''خیریت تو ہے بڑی اماں آپ لوگ اس طرح کیوں بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی پریشانی ہے کیا؟'' اس نے گردن موڑ کر بڑی اماں کو دیکھا۔

''ہاں پتر سب خیر ہے، تم پریشان نہ ہو، یہ بتاؤ کیا کررہے تھے؟ کہیں نیند سے تو نہیں جگا دیا رضیہ نے؟'' بڑی اماں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں میں ابھی نماز پڑھ رہا تھا۔''

''اس وقت نماز؟ باجماعت کیوں نہیں پڑھی؟'' بڑی اماں نے استفسار کیا تھا۔

''شہر سے واپس گاؤں آتے ہوئے دس بج گئے تھے راستے میں پتہ ہی نہیں چلا اس لئے مسجد نہیں جا سکا۔'' اس نے وضاحت دی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کھانا کھا لیا تم نے؟'' پتہ نہیں کیوں وہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوال کر رہی تھیں، جیسے کچھ کہنے سے پہلے تمہید باندھ رہی ہوں۔

''جی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا ہی کھایا تھا۔'' اب اسے اندر ہی اندر الجھن سی ہونے لگی تھی کہ کیا مسئلہ ہے جو وہ لوگ رات کے اس پہر حل کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں، اس نے ایک نظر اپنے والدین کی سمت دیکھا جو خود کسی کشمکش کا شکار لگ رہے تھے۔

''لگتا ہے تم کچھ تھکے ہوئے ہو؟'' بڑی اماں نے اپنے بہو اور بیٹے کو دیکھتے ہوئے پوتے سے تقریباً چوتھا سوال کیا تھا، وہ خود کچھ الجھی ہوئی لگ رہی تھیں۔ جیسے کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کشمکش میں ڈول رہی ہوں۔

''نہیں بڑی اماں ایسی کوئی بات نہیں، تھکن بھلا کیسی؟ آپ بتائیں، آپ نے شاید مجھے کسی کام سے بلایا تھا؟'' بالآخر اس نے خود ہی پوچھ لیا تھا، کیونکہ وہ تو ٹال مٹول ہی کرتی نظر آرہی تھی جیسے اسے بلا کر کچھ بتانے کا ارادہ بدل گیا ہو۔

''ہاں پتر بہت دنوں سے میں تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی، مگر کبھی تم دیر سے گھر آتے تھے اور کبھی شہر ہی رک جاتے تھے، اسی لئے سوچا آج بات کر ہی لوں۔'' بڑی اماں بات کرتے کرتے ایک بار پھر وقفہ لینے کے لئے رک گئیں، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ ان کا لاڈلہ، چہیتا پوتا جتنا سعادت مند، سمجھدار اور اچھا ہے اتنا ہی ضدی اور بااصول بھی ہے، غلط بات تو برداشت ہی نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کسی کی حق تلفی ہوتے دیکھ سکتا تھا، چاہے وہ حق تلفی اس کے اپنے گھر میں اس کے ملازموں کے ساتھ ہو رہی ہوتی تھی وہ ان کے حق میں بھی بول اٹھتا تھا۔

''جی کہیے بڑی اماں میں سن رہا ہوں۔'' وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''دیکھو بیٹا میں نے تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ایک منت مانی تھی اور اب اس منت کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے، لیکن یہ منت تب تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک تم میرا ساتھ نہ دو۔ اس لئے میں چاہ رہی تھی کہ پہلے تم کو بتا دوں اور تم سے پوچھ لوں۔'' انہوں نے کچھ متذبذب سے انداز میں کہا تھا اور وہ اپنی سی بات پہ حیران ہوا تھا۔

''ارے بڑی اماں آپ کی منت میں بھلا میں کیا کہوں گا؟ آپ پوری کر دیں اپنی منت۔'' وہ بہت ریلیکس انداز میں بولا تھا۔

''نہیں بیٹا میری منت میں پوری نہیں کر سکتی، میری منت تو تم نے پوری کرنی ہے۔'' وہ آہستگی سے بول رہی تھیں اور ان کے چہرے پر چھائی پریشانی اور عاجزی نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ کوئی گمبھیر مسئلہ ہے اور یہ لوگ مجھ سے کہہ نہیں پا رہے ہے۔

''ابا سائیں آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے، کیسی منت پوری کروانی ہے بڑی اماں نے؟'' اس نے اپنے والد محترم زمان گردیزی کو استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اور زمان گردیزی اپنی والدہ محترمہ کو دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''ہارون بیٹا میں تمہیں ساری بات تفصیل سے بتاتا ہوں، لیکن تمہارا کام ہے اسے غور سے سننا اور گہرائی سے سمجھنا، کیونکہ اگر تم گہرائی میں جا کر نہیں سوچو گے تو پھر تم اپنی دادای، اپنی ماں اور اپنے خاندان کے احساسات نہیں سمجھ سکو گے جو تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تھے۔'' انہوں نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بات شروع کرنے سے پہلے ذرا سی تمہید باندھی۔

''جی میں سن بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں آپ بات شروع کریں۔'' اس نے انہیں تسلی دلائی۔

''تمہارے دادا جان سلطان گردیزی کے صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، رحمان گردیزی، زمان گردیزی اور رابعہ گردیزی۔ تمہارے دادا جان سلطان گردیزی کی جاگیرداری اور سیاست کے میدان میں اپنی ایک ساکھ تھی ان کا اپنے گاؤں میں ہی نہیں بلکہ آس پاس کے علاقے میں بھی اچھا خاصا دبدبہ اور ایک نام تھا، وہ بہت بااصول، انصاف پسند اور نرم دل انسان تھے، اپنی زندگی اور جاگیرداری سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ انہوں نے جدی پشتی حکمرانی کی بنا پر کبھی کوئی محرومی یا کمی نہیں دیکھی تھی، یہی چیز ان کو مطمئن رکھتی تھی، لیکن ان کا یہ اطمینان اور خوشی اس وقت رخصت ہو گئے تھے جب انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کی شادیاں کی تھیں، لیکن شادیوں کے سات سال بعد بھی انہیں اپنی حویلی میں کسی بچے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

دونوں بیٹے اولاد کے لئے ترس رہے تھے، رحمان گردیزی کے ہاں تو سات سال سے کوئی بچہ ہوا ہی نہیں تھا، جبکہ زمان گردیزی کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ چار، پانچ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ پائے تھے اور بچوں کی پیدائش کے چار، پانچ دن بعد کا یہ صدمہ پوری حویلی کو توڑ کے رکھ دیتا تھا۔ سلطان گردیزی اور بڑی اماں (دادی) کے دلوں میں پوتے، پوتی کی خواہش کسی روگ کی طرح چمٹی ہوئی تھی جو ان کو اندر ہی اندر ترسا رہا تھا، لاشعوری طور پر حویلی کے ہر فرد کو بچے کی خواہش نے گھیر رکھا تھا۔ رحمان گردیزی اور ان کی بیوی بھی بچے کی آواز کو ترس رہے تھے، سلطان گردیزی اور بڑی اماں کو بھی ایک وارث کی شدید خواہش تھی ارمان تھا، اور زمان گردیزی بھی اپنے ہونے والے بچوں کے لیے زندگی کی دعا مانگتے تھے، اور یہ دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ اللہ نے ایک بار پھر امید کی کرن دکھا دی اور سبھی اپنی اپنی جگہ منتیں اور مرادیں ماننے لگے تھے کہ اللہ ہمارے ہونے والے بچے کو

زندگی دے اور ہماری دُعائیں قبول فرمائے۔

سلطان گردیزی نے اپنی چھوٹی بہو کی پریگنینسی کی خبر سنتے ہی صدقہ اور خیرات دینا شروع کر دیا تھا، کئی پیروں، فقیروں کے پاس گئے، کئی دیگیں چڑھائی تھیں اور کتنے ہی نوافل پڑھ ڈالے تھے، اسی طرح بڑی اماں بھی کبھی کسی ملنگ سے دعا کروانے چلی جاتیں، کبھی کسی مزار پہ دھاگے سے گرہ باندھ آتیں اور یہی سب کرتے کرتے ایک روز وہ اپنے مرشد سائیں پیر فرید حسین کے پاس جا پہنچیں جو اپنے باپ، دادا کے سجادہ نشین تھے اور مزار کے ساتھ بنے حجرے میں تشریف فرما ہوتے تھے، جہاں وہ اپنے مریدوں کے دکھ، پریشانیاں اور مسئلے مسائل سنتے تھے اور ان کا حل بتاتے تھے، ان کے لئے دعا کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر تعویذ وغیرہ بھی لکھ دیتے تھے، بڑی اماں اتنے لوگوں کے رش میں اپنی باری کا انتظار کرتی رہیں اور جب باری آئی تب شام ہو چکی تھی، بڑی اماں نے کچھ کہنے کے لئے اپنی مشکل اپنا دکھ بتانے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔

''بی بی تمہیں ایک وارث چاہیے جو تمہاری نسل کو آگے بڑھا سکے اور تمہارے خاندان کا نام سلامت رکھے۔'' انہوں نے بڑی اماں کے دل کی بات کہہ ڈالی تھی اور بڑی اماں کا عقیدہ پل میں پختہ ہو گیا تھا، وہ ان کے سامنے شدت سے رو پڑی تھیں۔

''مرشد سائیں میری جھولی بھر دو، میری مراد اللہ سے پوری کرا دو، میں آپ کی نوکر آپ کی غلام بن جاؤں گی، آپ جو کہیں گے وہی کروں گی، آپ جو کہو گے وہی چڑھاوا دوں گی۔'' پیر فرید حسین کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ مسکرائے تھے ان کے پرشفقت نورانی چہرے پہ عجیب سا تاثر تھا، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ کبھی کبھی چڑھاوا دینا اور منتیں، مرادیں پوری کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔

''نیک بی بی سوچ لو ایک بار۔'' انہوں نے بڑی اماں کو سوچنے کی مہلت دی، مگر وہ مہلت لینے پر راضی نہیں تھیں۔

''آپ جو بھی کہہ دیں گے میرے لئے وہ پتھر پہ لکیر ہوگا، آپ سے منکر نہیں ہو سکتی۔'' بڑی اماں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

''نیک بی بی ہمارے خاندان میں صدیوں سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ ہر لڑی (ہر نسل) میں سب سے بڑا بیٹا سجادہ نشین ہوتا ہے اور اس سجادہ نشین کی بیٹی کو صدقہ کیا جاتا ہے، اس کے باپ اور بھائیوں کا صدقہ، یعنی اس کا نکاح کر کے ایک دن کے لئے دلہن بنا کر رخصت کیا جاتا ہے اور پھر شادی کے دوسرے روز ہی اسے واپس گھر لے آتے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، پھر وہ بیٹی تمام عمر عبادت میں گزار دیتی ہے، دنیاوی کاموں سے دور ہٹ جاتی ہے اور دینوی کاموں کو اپنا لیتی ہے، اس کے شوہر کا، اس کے باپ، دادا اور بہن، بھائیوں کا اس پہ کوئی حق اور اختیار نہیں رہتا، وہ بس اللہ کی راہ پہ لگ جاتی ہے، کیونکہ وہ صدقہ کر دی جاتی ہے۔ ہماری لڑی میں ہماری بیٹی صدقہ کی گئی تھی جو آج تک عبادت میں وقت گزار رہی ہے اور اب ہمارے بیٹوں میں سے معراج حسین کی بیٹی صدقہ کی جائے گی جس کا نکاح تمہارے خاندان میں ہوگا اور نکاح کے دوسرے روز ہی ہماری بیٹی ہمارے گھر آ جائے گی۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا تھا۔

''ہمارے خاندان میں؟ کس کے ساتھ مرشد سائیں؟'' بڑی اماں کو حیرت ہوئی تھی۔

''تمہارے ہونے والے پوتے کے ساتھ، اور تم یہ منت مان چکی ہو تم یہ چڑھاوا ضرور دو گی، ہمارے بڑے بیٹے کی صاحبزادی کا نکاح

تمہارے پوتے سے ہوگا، ہاں ایک بات اور بتادیں کہ تمہارا پوتا کبھی ہماری صاحبزادی کو طلاق نہیں دے گا اور نہ ہی کبھی اس پہ اپنا حق جتائے گا، نہ شادی کے دن، نہ باقی ساری زندگی، البتہ وہ جہاں چاہے اپنی دوسری شادی کرسکتا ہے، ہماری طرف سے کوئی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہوگی، بس تمہارا چڑھاوا یہی ہوگا کہ ہماری بیٹی ہماری عزت تمہارے پوتے سے منسوب رہے گی اور ساری زندگی آپ لوگوں سے کچھ طلب نہیں کیا جائیگا۔" وہ بڑی اماں کو اس رسم کو ہر اونچ نیچ سے آگاہ کررہے تھے، بڑی اماں جو متفکری لگ رہی تھیں ان کی باتوں سے کچھ پرسکون سی ہوگئی تھیں۔

"لیکن مرشد سائیں یہ رسم، یہ منت کب پوری کرنی ہوگی؟" وہ آہستگی سے بولیں۔

"جب ہمارے بچے جوان ہوجائیں گے، ابھی تو نہ تمہارا پوتا پیدا ہوا ہے اور نہ ہمارے بیٹے کی صاحبزادی، لیکن ہماری اس رسم میں یہ رشتہ پیدا ہونے سے پہلے ہی طے کیا جاتا ہے جو آج ہم نے کردیا ہے، بس دعائے خیر کرنی ہے۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور بڑی اماں واپس گھر آگئیں۔

"اور پھر اس منت کے بعد تم پیدا ہوئے اور تمہارے پیدا ہونے کے بعد لالہ سائیں (رحمان گردیزی) کے ہاں بھی دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں، تم جان سکتے ہو کہ اس کے بعد بڑی اماں کا یا پھر ہمارے خاندان کا مرشد سائیں پہ کتنا پکا عقیدہ ہوچکا ہوگا اور وہ منت پوری کرنا بھی ہمارے لئے لازم ہوگیا تھا، لیکن ان کے بیٹے سید معراج حسین کے تین صاحبزادے تھے، اس لئے آٹھ سال تک یہ رسم ڈانوا ڈول سی رہی تھی، مگر جب تم آٹھ سال کے ہوئے تو ان کے ہاں صاحبزادی کی پیدائش ہوئی اور تمہارے لئے مانی جانے والی منت پکی ہوگئی تھی۔ لہٰذا رسم کے مطابق سید معراج حسین اور پیر فرید حسین چاہتے تھے کہ شادی تب ہو جب لڑکی بیس سال کی ہوجائے۔ تو بیٹا تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم ہماری اور اپنی بڑی اماں کی مجبوری سمجھ سکو، کیونکہ وہ لوگ چند دنوں تک نکاح کرنا چاہتے ہیں، وہ بھی صرف ایک دن کے لئے۔" زمان گردیزی نے تفصیل سے ساری بات بتانے کے بعد پلٹ کر ہارون کو دیکھا۔ جوان کی تفصیلی بات سننے کے بعد ششدر سا بیٹھا تھا، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے ان سب سے۔

"ہارون ہم تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں بیٹا؟" انہوں نے دوبارہ اسے متوجہ کیا تھا، بڑی اماں متفکر سی بیٹھی تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اور دعا مانگ رہی تھیں کہ ان کا پوتا ان کی لاج رکھ لے۔

"ہارون......" زمان گردیزی نے قریب آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا اور یکدم اس شاک سے باہر آیا تھا۔

"ایم سوری ابا سائیں میں آپ کی ایسی کوئی منت نہیں پوری کرسکتا، میں یہ نکاح نہیں کروں گا، ایک لڑکی کو اپنی عزت، اپنی غیرت بنانے کے بعد اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتا؟" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کا انداز دوٹوک تھا۔ بے لچک اور بے مروت۔

"یہ کیا کہہ رہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں آپ لوگ انہیں انکار کردیں، وہ اس کام کے لئے کسی اور کو ڈھونڈ لیں میری طرف سے انکار ہے۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا، بڑی اماں کا بوڑھا چہرہ پریشانی سے پیلا پڑ گیا تھا، زمان گردیزی اور ان کی بیوی بھی چپ رہ گئے تھے۔

صبح ہوتے ہی وہ شہر کے لئے روانہ ہو گیا تھا اور زمان گردیزی اس سے دوبارہ بات کرنے کا سوچتے رہ گئے تھے۔

''ہارون سے بات کی آپ لوگوں نے؟ کیا کہتا ہے وہ؟'' صبح ناشتے کی میز پہ لالہ سائیں نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''ہاں کی تھی، لیکن وہ ماننے کو تیار نہیں ہے۔'' وہ بیٹے کی ضد کو جانتے تھے، تبھی آہستگی سے بولے تھے۔

''اماں سائیں کیا کہتی ہیں؟'' انہوں نے دوسری پارٹی کا پوچھا، لہجہ کچھ متبسم تھا، شاید انہیں پہلے سے ہی پتہ تھا کہ ہارون نہیں مانے گا۔

''وہ رات سے بہت پریشان ہیں اپنے آپ کو بُرا بھلا کہہ رہی ہیں، اپنے مرنے کی دعائیں کر رہی ہیں کہ وہ اپنے مرشد سائیں کو کیا منہ دکھائیں گی؟'' زمان گردیزی یوں بات کر رہے تھے جیسے بڑی اماں کے وہی مجرم ہوں۔

''ہمیں تو ہارون کے بچپن سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہ شادی نہیں کرے گا۔ اولاد کے طور طریقے اور تیور دیکھ کر ہی اس کے مزاج کا پتہ چل جاتا ہے زمان گردیزی۔ بیٹا تو وہ تمہارا ہے لیکن سمجھتے اسے ہم ہیں۔ تم فکر نہ کرو وہ مان جائے گا ہم اسے سمجھائیں گے۔'' انہوں نے اطمینان سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے تسلی دی تھی۔

''مجھے بس اماں سائیں کی طرف سے فکر ہو رہی تھی۔ کہ وہ کیا سوچ رہی ہوں گی۔ یہ منت بھی تو انہوں نے ہمارے لئے ہی مانی تھی نا۔''

''ارے ٹھیک ہے۔ بس تم پریشان نہ ہو اماں سائیں کو بھی تسلی دو اور مرشد سائیں سے کہہ دو ہم اس شادی کے لئے تیار ہیں اور وہ دن بتا دیں تاکہ ہم دلہن کے لئے کچھ سامان خرید لیں۔''

''مگر لالہ سائیں؟''

''بس زمان گردیزی ہم نے کہہ جو دیا ہے ہارون کو ہم سنبھال لیں گے۔'' وہ کندھا تھپک کر وہاں سے چلے گئے تھے، انہوں نے اپنے مزارعوں کے ساتھ آج زمینوں پہ جانا تھا، جہاں منجھی (چاول کی فصل) بونے کا کام ہو رہا تھا، زمان گردیزی لالہ سائیں کو دیکھتے رہ گئے اور یہ سچ تھا کہ دونوں تایا بھتیجے میں کافی انڈرسٹینڈنگ تھی، دونوں کے خیالات ملتے تھے اور دونوں کی گپ شپ ہمیشہ دوستوں کی طرح ہوتی تھی۔

''کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟'' رحمان گردیزی نے اس کے آفس روم کے دروازے پر دستک دے کر اجازت طلب کی تھی اور ہارون گردیزی اس وقت ایک بہت اہم فائل پہ کافی مصروف سے انداز میں کام کر رہا تھا، ان کی آواز سن کر یکدم احترام سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔''

''چچا سائیں اندر آئیں، آپ وہاں کیوں کھڑے ہیں؟ پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' وہ اپنی فائل چھوڑ کر سیٹ سے اٹھ آیا تھا اور قریب آ کر رحمان گردیزی کو آگے بڑھنے کو کہا۔

رشتے اور عمر کے لحاظ سے وہ اس کے تایا ابا تھے، لیکن وہ ہمیشہ سے ان کو چچا سائیں کہہ کے بلاتا تھا۔

''بیٹھئے چچا سائیں آج مجھ سے ملنے کا خیال کیسے آ گیا؟'' وہ صوفے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کافی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہارون گردیزی نہ تم معصوم بچے ہو اور نہ ہم۔ ایک ماہ سے گھر پہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، مگر تم روز آج اور کل پہ ٹالے جا رہے تھے، ہم نے تو

آخر آنا ہی تھا، کیونکہ تم سے کام ہمیں تھا، تمہیں تو نہیں۔" وہ ہارون پر چوٹ کرتے ہوئے بولے تھے، وہ سچ مچ شرمندہ ہو کے رہ گیا تھا۔

"ایم سوری چچا سائیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی، دراصل یہاں کام ہی کچھ اتنا زیادہ تھا کہ گاؤں جانے کا ٹائم ہی نہیں ملا، انشاءاللہ چار، پانچ روز تک چکر لگاؤں گا۔" اس نے وضاحت پیش کی تھی۔

"اب تمہیں چکر لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ اب ہم جو یہاں آ گئے ہیں۔" وہ دلچسپی سے بولے تھے۔

"یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ اور سنائیں بڑی اماں اور باقی سب کیسے ہیں؟ رابعہ پھوپھو سے ملاقات ہوئی آپ کی؟" اس نے سب کی خیریت پوچھی، حالانکہ روز حویلی فون کر کے گاؤں کی خیر خبر لیتا رہا تھا۔

"سب سے ملاقات ہو جائے گی پہلے تم سے تو ہو جائے...... اور بڑی اماں کا تو تمہیں پتہ ہے انہیں آج کل کیا روگ لگا ہوا ہے؟" رحمان گردیزی کی یہ بہت اچھی عادت تھی کہ وہ بڑی سے بڑی بات بھی بہت ریلیکس انداز میں کہہ جاتے تھے اور بہت ہی نرمی سے بات منوا بھی لیتے تھے اور انہیں اپنا یہ اکلوتا بھتیجا اپنے بیٹے کی طرح عزیز تھا، وہ اسے ایک باپ کی طرح ہی چاہتے تھے۔ ہارون بڑی اماں کے متعلق سن کر چپ سا ہو گیا تھا، کیونکہ وہ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا، ان کی منت بہت کڑی منت تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو تم؟"

"کچھ نہیں چچا سائیں۔"

"کچھ تو سوچا ہے تم نے؟"

"ہاں، مگر جو میں نے سوچا ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔

"تم پیر فرید حسین کی اس رسم کے تاریک پہلو پہ غور کر رہے ہو، اسے روشن کرنے کا سوچ رہے ہو تو بیان کیوں نہیں کر سکتے؟" رحمان گردیزی کی بات پہ ہارون نے یکدم کرنٹ کھا کے ان کی سمت دیکھا تھا، ان کا چہرہ وہی کچھ بیان کر رہا تھا جو ہارون دل میں سوچ رہا تھا۔

"چچا سائیں آپ بھی وہی سوچتے ہیں جو میں؟" وہ بے یقین سا ہونے لگا تھا۔

"تم باقی سب چھوڑو یہ بتاؤ کہ اپنی بڑی اماں کی منت پوری کرو گے یا نہیں؟ ہم آج اسی لئے آئے ہیں، آج تمہیں فیصلہ کرنا ہو گا۔" وہ اپنے تاثرات غائب کرتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔ ہارون نے پانچ منٹ سوچا ہر پہلو پہ ایک بار پھر غور کیا اور پھر رضامندی دے دی تھی۔

"ٹھیک ہے میں اس شادی کے لئے تیار ہوں، آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گا اور جو میں کہوں گا وہ آپ کو بھی کرنا ہو گا۔" اس نے ہامی بھر لی اور رحمان گردیزی مسکرا دیئے تھے۔

❁......❁......❁

آج شہر بانو کی مہندی اور تیل کی رسم تھی، وہ لوگ یہ ایک دن کی شادی بھی تمام رسموں اور پورے اہتمام کے ساتھ کرتے تھے اپنے طور پہ وہ بیٹی کا ہر حق ادا کرتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح قربانی کے جانور کا حق ادا کیا جاتا تھا اور پھر قربانی کے دن دھوم دھام سے اسے ذبح کر کے

قربان کر دیا جاتا تھا اور آج اس قربانی کے لئے شہر بانو کو تیار کیا جا رہا تھا، بس فرق یہ تھا کہ وہ جانوروں کی قربانی ہوتی تھی وہ بھی اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا پہ ہوتی تھی، جبکہ یہ انسانوں کی قربانی تھی اور وہ بھی صرف بیٹیوں کی جو باپ اور بھائی کے لئے قربانی ہو جاتی تھیں، ہر نسل میں ایک بیٹی اس رسم کی بھینٹ چڑھا دی جاتی تھی اور اب باری شہر بانو کی تھی جو تین بھائیوں سے چھوٹی اور اکلوتی بہن تھی، لیکن پھر بھی اس کی ماں اسے اس رسم سے نہیں بچا سکتی تھی، کیونکہ صدیوں سے اور کئی نسلوں سے چلی آنے والی یہ رسم تو آخر نبھانا ہی تھی، حالانکہ ان کا اپنی نازک پھولوں سی بیٹی کے لئے بہت دل تڑپتا تھا کہ وہ جیتے جی دنیا سے کٹ کے رہ جائے گی! یہی سوچیں اور یہی دکھ آج کل ان کو نڈھال کئے رکھتا تھا وہ بہت چپ چپ سی رہتی تھیں۔

''تائی اماں آپ یہاں بیٹھی ہیں؟ چلیں آپ کو سب نیچے بلا رہے ہیں، شہر بانو کو مہندی لگنے والی ہے۔'' مریم نے ان کے کمرے میں آتے ہی پیغام دیا تھا۔ لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہیں۔

''تائی اماں چلیں نا سب کو دیر ہو رہی ہے۔'' مریم نے مزید کہتے ہوئے ان کا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا اور وہ گم سم افسردہ سی اٹھ کر اس کے ساتھ آ گئیں جہاں نازک، گداز سرخ گلابوں سی شہر بانو زرد لباس میں اپنی تمام تر پاکیزگی اور سادگی کے ساتھ چہرہ جھکائے بیٹھی تھی اور سبھی اس کی ماں کے انتظار میں بیٹھے تھے، کیونکہ بیٹی کو تیل اور مہندی لگانے کا آغاز انہوں نے ہی کرنا تھا۔

''آیئے بھرجائی شہر بانو کو مہندی لگایئے اتنا ٹائم ہو رہا ہے۔'' ان کی دیورانی سید سراج حسین کی بیوی نے انہیں آگے بڑھنے کا کہا، لیکن ان کے دل پہ کیا گزر رہی تھی، کوئی کیسے جان سکتا تھا، ان کا بس چلتا تو وہ یہ رسم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتیں، مگر بس چلتا تب نا! انہوں نے آگے بڑھ کے کھڑے کھڑے بیٹی کو مہندی اور تیل لگایا اور پلٹ کر واپس چلی گئیں۔ بعد میں کیا کچھ ہوتا رہا انہیں کوئی خبر نہیں تھی، وہ سر درد کا کہہ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔

''شہر بانو تمہیں کوئی دکھ تو نہیں اندر سے؟ کیا اس رسم پہ اداس ہو؟'' مومنہ پھوپھو کی بیٹی فروا نے کافی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

''فروا بی بی ہماری شہر بانو تو اللہ کی گائے ہے اسے بھلا کوئی دکھ یا اداسی کیوں ہونے لگی؟ وہ سب کی خوشی میں خوش رہتی ہے، ہاں دکھ یا اداسی تو ہمیں ہوتی تھی، اگر اس کی بجائے ہمارا نکاح ہو رہا ہوتا۔ صرف نام نہاد نکاح۔'' زہرا نے جلتے ہوئے طنز کیا تھا۔ اسے شہر بانو کی چپ رہنے کی عادت پہ کافی غصہ آتا تھا، وہ چاہتی تھی کہ شہر بانو اپنے حق میں آواز اٹھائے، وہ ان پڑھ لڑکیوں کی طرح اس فرسودہ رسم کی بھینٹ نہ چڑھے، مگر شہر بانو اس قسم کی گستاخی یا سرکشی کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی، اس نے کبھی بھی زہرا کی گفتگو کو دل پہ نہیں لیا تھا۔

''کاش کہ یہ صدقہ کی رسم تم پہ آئی ہوتی!'' مریم نے زہرا کو چھیڑا تھا۔

''قسم سے یار میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ کاش شہر بانو کی جگہ میں ہوتی اور پھر سب کو بتاتی کہ ایک انسان کو صدقہ کیسے کیا جاتا ہے؟ اونہہ عقل ٹھکانے لگا دیتی سب کی!'' زہرا نے بے بسی سے مٹھی بھینچ کر کہا تھا اور اس کے انداز پہ سب ہنس پڑی تھیں، لیکن شہر بانو ابھی بھی خاموش بیٹھی تھی، حالانکہ اس کی بڑی پھوپھو کی بیٹیاں فروا، اور اقراء اس کے ہاتھوں پہ مہندی لگانے اور مذاق کرنے میں مشغول تھیں، پھر بھی اس کا دھیان نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا ہوا تھا۔

''فروا یہاں ہتھیلی پہ شہر بانو کے شوہر کا نام بھی لکھ دو۔'' زہرا نے پھر مداخلت کی۔

''کیا نام ہے ان کا؟'' فروا نے پوچھا۔

''ہارون گردیزی!'' شہر بانو نے یکدم فروا کے ہاتھ سے اپنی ہتھیلی کھینچ لی تھی، مبادا وہ سچ مچ ہی اس کا نام نہ لکھ ڈالے۔

''ہاتھ کیوں کھینچ لیا شہر بانو؟ اسی کا نام لکھنے کا کہا ہے نا جس کے نام تم اپنی پوری زندگی لکھنے جا رہی ہو؟''

''پلیز آپی مجھے ڈسٹرب نہ کریں میرے ساتھ جو ہو رہا ہے ہونے دیں، اگر ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا جا رہا تو اس کا خیال ہمارے ماں، باپ اور بڑوں کو کرنا چاہیے ہمیں نہیں، کیونکہ جن کو بن کہے کوئی احساس نہیں ہوتا انہیں ہمارے کہنے پہ بھی کوئی احساس نہیں ہوگا، مجھے میرے بابا اور بھائیوں نے ہمیشہ بہت پیار دیا ہے لاڈلہ بنا کے رکھا ہے میری ہر چیز کا خیال رکھتے ہیں تو آج اگر میں ان کے لئے قربان ہو جاؤں گی تو کوئی نقصان کی بات نہیں ہوگی، بلکہ میرے لئے تو فخر ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور بابا کا صدقہ بن رہی ہوں ان کے نام پر سے واری جا رہی ہوں اتنی چاہتوں کے بدلے یہ کام تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور زہرا کو سمجھانا چاہا تھا جو ہمیشہ ہی شہر بانو کی بات نہیں سمجھتی تھی۔

اور پھر نکاح کا دن بھی آ گیا۔ شادی کا جوڑا پورے اہتمام کے ساتھ اس کے سسرال سے آیا تھا بڑی اماں نے بہوؤں سے کہہ کر ہر چیز بہت شوق اور بڑے چاؤ کے ساتھ خریدی تھی اپنی طرف سے ہر شگن پورا کیا تھا، رابعہ گردیزی بھی اپنے شوہر اور اپنے بچوں کے ساتھ شریک ہوئی تھیں حویلی کے سبھی افراد اس رسم میں شامل ہونے جا رہے تھے...... سید معراج حسین کی طرف سے بہت سے لوگ اس شادی میں شریک ہوئے تھے اور سبھی لوگ اس شادی کی نوعیت کو جانتے تھے کہ یہ ایک رسم کی تحت ہو رہی ہے، اسی لئے ماحول بھی کچھ رکھی رکھی سا تھا۔

ہارون نے بس اپنے چند ایک جاننے والوں کو اور دو، تین دوستوں کو ہی انوائیٹ کیا ہوا تھا، مغرب کے بعد ان کا نکاح ہوا، پھر کھانا وغیرہ کھایا گیا اور ایک دو رسم ادا کی گئی تھیں تب جا کر رخصتی کا وقت آیا۔ باقی سب تو شہر بانو کے گلے لگ کے بہت نارمل سے انداز میں ملی تھیں کہ کل صبح شہر بانو نے دوبارہ گھر جو آ جانا ہے، لیکن شہر بانو کی ماں، بیٹی کو گلے لگا کر بہت شدت سے روئی تھیں، کیونکہ صرف انہی کو تو احساس تھا کہ ان کی بیٹی قربان ہوگئی ہے بے شک اس نے کل صبح سلامت واپس گھر آ جانا تھا، لیکن ساتھ یہ دکھ بھی تو تھا کہ وہ پوری دنیا سے کٹ...... جائے گی۔ ہارون کی بڑی اماں نے آگے بڑھ کر ان کو الگ کیا اور بہوؤں کو اشارہ کیا کہ وہ شہر بانو کو گاڑی میں بٹھائیں۔

''مرشد سائیں ہمیں اب اجازت دیں۔'' بڑی اماں نے احترام سے کہا، البتہ ان کے لہجے میں بے پناہ خوشی تھی کہ انہوں نے اپنی منت پوری کر لی ہے۔

''اجازت ہے بڑی اماں ہماری امانت آپ کے حوالے ہے۔'' سید معراج بھی جواباً کافی ادب سے بولے تھے اور ان کی بات پہ ہارون نہ جانے کیوں نظریں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا جہاں اس وقت تمام سیدزادیاں کھڑی اپنی لاڈلی صاحبزادی کی رخصتی کا منظر دیکھ رہی تھیں زہرا، مریم، فروا اور سکینہ وغیرہ نے ہارون گردیزی کو دیکھتے ہی اس کی شاندار پرسنالٹی کو خوب سراہا تھا، بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس اپنے چچا سائیں کے ہمراہ کھڑا اس وقت نہ جانے کیا بات کر رہا تھا، وہ بھی اسے دیکھتی رہ گئیں، یہاں تک کہ ماں جی نے بھی اپنے داماد کو دل ہی دل میں بے حد سراہا تھا، مگر کیا فائدہ اس سب کا؟ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بلیک مرسیڈیز میں بیٹھا اور دلہن کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔

''ہارون یہ کہاں جا رہے ہو تم؟'' وہ اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر اسے بازو پہ ڈالتا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، جب زینی آپا کی آواز نے اچانک اس کے قدم روک دیے تھے، اس نے سیڑھیوں پہ کھڑے کھڑے گردن موڑ کر ڈرائنگ روم کے وسط میں کھڑی زینی آپا کو تعجب بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''اپنے بیڈروم میں اور کہاں؟'' اس نے کافی لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

''کیا؟ بیڈروم میں؟ مگر تم بھلا بیڈروم میں کیسے جا سکتے ہو؟ وہاں تو۔'' وہ کہتے کہتے یکدم خاموش سی ہو گئیں اور گھبراہٹ ان کے پورے چہرے سے جھلکنے لگی تھی، کیونکہ انہیں احساس ہو چکا تھا کہ وہ شہر بانو کو ہارون کے بیڈروم میں بٹھا کر کتنی بڑی اور کتنی سنگین غلطی کر چکی ہیں۔

''وہاں کون ہے؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنا تھا۔

''وہ.....وہ شہر بانو!'' زینی آپا کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہارون کو کیسے ہینڈل کریں۔

''کون شہر بانو؟'' اس نے پھر سوال کیا تھا۔

''وہ جس کے ساتھ آج تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' زینی آپا کو مجبوراً کہنا ہی پڑا تھا کیونکہ اور کوئی جواب بھی تو نہیں تھا اور انہیں کیا پتہ تھا کہ وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا ہے۔

''جس کے ساتھ آج میری شادی ہوئی ہے، پھر وہ تو میری 'بیوی' ہوئی نا؟ میری منکوحہ! اس لحاظ سے میرا اپنے بیڈروم میں جانا کوئی غلط بات تو نہیں ہے، آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں؟'' وہ پلٹ کر سیڑھیاں اتر آیا تھا۔

''لیکن ہارون تم نہیں جا سکتے اس کا اختیار نہیں ہے۔''

''عجیب بات ہے زینی آپا؟ گھر میرا ہے، بیڈروم میرا ہے، بیوی میری ہے اور مجھے ہی اختیار نہیں ہے؟ یہ بھلا کس کتاب میں لکھا ہے؟'' اس نے کافی خفگی اور حیرانی کا اظہار کیا تھا۔

''ہارون تم جانتے تو ہو یہ شادی ایک رسم ادا کرنے کے لئے ہوئی ہے، یہ ویسا رشتہ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو، تمہارا شہر بانو پہ کوئی حق نہیں ہے، وہ اپنے باپ، دادا کی رسم کے مطابق صدقہ کی گئی ہے۔'' زینی آپا کے لئے بہت مشکل ہو رہا تھا ہارون کو سمجھانا، کیونکہ وہ ان کی ہر بات ہر جواز میں نقص نکال رہا تھا اور اپنی دلیلیں دے رہا تھا۔

''ایک انسان کی قربانی، ایک انسانی صدقہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں لیا جو بڑی اماں کے مرشد سائیں لے رہے ہیں، اگر ایسا ممکن ہوتا تو سب سے پہلے انسان کی قربانی کی صورت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام قربان ہوتے اور پھر ہر سال ہر انسان کو اپنے پیارے اللہ کی راہ میں قربان کرنا پڑتے، کچھ سوچیے زینی آپا پیر فرید حسین کی خاندان میں یہ رسم نہیں ظلم ہو رہا ہے اور میں یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا میں نے یہ شادی اسی لئے کی ہے کہ ان کی اس رسم کو مٹایا جا سکے، سو پلیز ہیلپ می، میں اپنے بیڈروم میں جا رہا ہوں، گڈ نائٹ کل ملاقات ہو گی۔'' وہ نرمی سے کہتا زینی آپا کا کندھا تھپک کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا، لیکن زینی آپا کا دل نہیں مان رہا تھا، انہوں نے جا کر بڑی اماں اور چچا سائیں زمان گردیزی کے سروں پہ بم پھوڑ دیا

تھا، بڑی اماں نے تو دو ہتڑ سے اپنا سینہ پیٹ لیا تھا، جبکہ زمان گردیزی اور ان کی بیوی اپنی اپنی جگہ پہ ساکت سے ہو گئے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ البتہ رحمان گردیزی نے ذرا کم ہی نوٹس لیا تھا۔

ہارون گردیزی کی تایازاد بہن زینی آپا اسے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے اس بیڈروم میں چھوڑ کر گئی تھیں، لیکن اسے نہیں پتہ تھا کہ یہ بیڈروم کس کا ہے، اسی لئے اس بیڈروم کو تھوڑی دیر کے لئے اپنی آرام گاہ سمجھ کر دن بھر کی اکڑی ہوئی کمر کو ریلیکس کرنے کی غرض سے ذرا سی نیم دراز ہوگئی تھی اور زینی آپا کا انتظار کرنے لگی جو اسے تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر گئی تھیں، لیکن پھر آدھا گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی نہیں آئی تھی، اب شہر بانو کو اپنے بناؤ سنگھار سے کوفت سی ہونے لگی، تبھی وہ زینی آپا کا انتظار کرتے کرتے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ابھی وہ آگے بڑھنے ہی والی تھی کہ اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پہ رکھی تصویر کی سمت اٹھ گئی تھی اس نے ہارون گردیزی کو ٹھیک طرح سے دیکھا تو نہیں تھا، مگر رخصتی کے دوران ایک سرسری سی نظر تو اس پہ پڑی ہی تھی اسی لئے پہچاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ تصویر ہارون گردیزی کی ہے! اور بے ساختہ ہی وہ اس خوبصورت فریم میں بجی ہارون گردیزی کی متاثر کن پرسنالٹی کو دیکھے گئی اور ساتھ یہ بھی احساس ہوگیا کہ یہ کمرہ ہارون گردیزی کا ہی ہے۔

وہ شہر بانو کو رخصت کرا کے حویلی لے جانے کی بجائے اپنے شہر والے گھر میں لے کر آیا تھا، البتہ حویلی جانے کے لئے اس کے کیا ارادے تھے، ابھی کچھ پتہ نہیں تھا شہر بانو نے کھڑے کھڑے پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا تھا، اس دروان وہ چلتی ہوئی کمرے کے بیچوں بیچ آ کھڑی ہوئی تھی کہ اچانک ہی ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ بھی کھل گیا تھا۔ آنے والے کے قدموں کی آہٹ ابھری تھی، شہر بانو نے گھبرا کر رخ موڑ لیا تھا، کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ اندر آنے والا مرد ہے عورت نہیں! تقریباً تین یا چار سیکنڈ کے وقفے کے بعد دروازہ دوبارہ بند ہوگیا تھا۔

"السلام علیکم!" ہارون نے اپنا کوٹ بیڈ پہ ڈالتے ہوئے اپنی نئی نویلی اجنبی دلہن کو سلام کیا جو اس کی سمت پشت کئے کھڑی تھی۔

"آ......آپ کون؟" وہ گھبرائی ہوئی بولی تھی۔

"جس سے آپ کی ساری زندگی منسوب ہو چکی ہے۔" وہ سکون سے کہتا اپنی گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھ رہا تھا۔

"مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" بے شک شہر بانو بہت نازک اور خاموش طبع تھی، مگر ایسی حرکت برداشت نہیں کر سکتی تھی ذرا ترشی سے بولی تھی۔

"اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو؟" اس نے اپنا والٹ اور موبائل نکال کر وہ بھی سائیڈ پہ ڈال دیے تھے، شہر بانو اس کے سوال پہ ٹھٹک گئی تھی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گئی اسے اپنا دفاع کرنا تھا۔

"میں یہاں مہمان ہوں۔" وہ مضبوطی سے بولی تھی۔

"حالانکہ میں آپ کو مالک سمجھ رہا ہوں، کیونکہ یہ گھر آپ کا ہے، یہ کمرہ آپ کا ہے اور سب سے بڑی بات کہ میں بھی آپ کا ہوں پھر آپ مہمان کیسے ہوگئیں؟" وہ دلچسپی سے کہتا عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، جہاں شہر بانو کا رنگ فق ہوا تھا، وہیں ہارون گردیزی کی نگاہیں بھی ایسی

دلکشی پہ اپنی ذات بھلا بیٹھی تھیں، کتنے ہی لمحے ہارون کی نظروں کی نذر ہو گئے تھے، لیکن شہر بانو کی بدحواسی نے یکدم اس کی یہ سحر زدہ سی کیفیت خاک میں ملا ڈالی تھی، وہ تیزی سے پلٹ کر دروازے کی سمت لپکی تھی اور اسی تیزی سے ہینڈل گھما کر لاک کھولنے کی ناکام کوشش کی تھی، کیونکہ وہ لاک کے ساتھ ساتھ بولٹ بھی چڑھا آیا تھا۔

''یہ بھاگنے دوڑنے سے بہتر ہے کہ آپ ایک بار آرام سے بیٹھ کر میری بات سن لیں۔'' ہارون نے قریب آتے ہوئے کہا تھا، شہر بانو ڈری سہمی کھڑی تھی، اس کے قریب آنے سے تھوڑی اور دور ہٹ گئی۔

''میں آپ کی کوئی بات نہیں سُننا چاہتی۔ آپ یہاں سے چلے جائیں یا مجھے جانے دیں۔'' شہر بانو نے بہت سی ہمت مجتمع کر کے جواب دیا تھا، ورنہ تو اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے، پورا جسم ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور دودھیا پیشانی پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے، دل کی دھڑکنیں اسی طرح دھڑ دھڑا رہی تھیں جیسے کوئی دروازے پہ دستک دے رہا ہو! اور یہ دستک ذرا فاصلے پہ کھڑے ہارون گردیزی کو بھی با آسانی محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ میری بات نہیں سننا چاہتیں تو کوئی بات نہیں، لیکن یہاں سے چلے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ہم دونوں نے اب یہاں ہی رہنا ہے آج بھی، کل بھی اور آئندہ ساری زندگی بھی، وہ اس لئے کہ میں آپ کو ایک دن کے لئے نہیں اپنی پوری زندگی کے لئے اپنی ہمسفر بنا کے لایا ہوں، اب میں اچھا ہوں یا بُرا ہوں آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتیں اور آپ اچھی ہیں یا بری میں بھی آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا، بے شک میں آپ کو جانتا نہیں تھا میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی آپ کو چاہا تھا، لیکن مجھے امید ہے کہ میں آپ کو جاننے لگا، دیکھنے لگا تو پھر چاہنے بھی لگوں گا، بہت جلد مجھے آپ سے محبت بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ محبت کے آثار تو مجھے ابھی سے نظر آنے لگے ہیں، میرا دل محبت پہ مائل سا لگ رہا ہے۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بڑی دلکشی سے کہتا اپنے پورے استحقاق سے شہر بانو کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کر چکا تھا، ہارون گردیزی کی قربت کی تپش سے شہر بانو کا جسم ہی نہیں روح بھی جل اٹھی تھی، وہ اسے اپنے مضبوط بازو کے حلقے میں لے کر بیڈ تک لے آیا تھا۔

''پلیز ہارون؟'' ہارون نے جیسے ہی اس کی چوڑیاں اتاریں وہ جیسے ہوش میں آ گئی تھی۔

''جیولری تو آپ نے اتارنی ہی ہے ابھی یا تھوڑی دیر بعد۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''آپ میری اجازت اور میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔'' وہ یکدم اپنا ہاتھ چھڑا کر دور ہٹ گئی تھی۔

''میں بہت چاہتا تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہ کروں، لیکن مجھے لگتا ہے کہ آج زبردستی کئے بغیر گزارا نہیں ہو گا، کیونکہ آپ میرے حق میں نظر نہیں آ رہیں۔'' وہ بیڈ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ میرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتے، کیونکہ میرا آپ سے ہمیشہ کا رشتہ نہیں ہے۔'' وہ سختی سے بولی، اس نے بڑی ہمت سے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔

''او کے فرض کر لیتے ہیں کہ ہمارا رشتہ ہمیشہ کا نہیں لیکن ایک رات کے لئے تو ہے نا؟'' اس نے شہر بانو کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کافی ذو معنی لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن میں آپ کے ساتھ نہیں۔'' شہر بانو نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ ہارون نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر خاموش کرا دیا۔

''دیکھئے محترمہ شہر بانو میں اس وقت آپ کی سب باتیں سن بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں، مجھے آپ کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہو رہا ہے، لیکن اس کے باوجود میں آپ کو ایک بات سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ میں کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ ہی اپنا ''حق'' تلف ہونے دیتا ہوں۔ لہٰذا آپ یہ بھول جائیں کہ میں آپ کو پرائی امانت، کسی کا صدقہ یا پھر شجر ممنوعہ سمجھ کر چھوڑ دوں گا، آپ پر میرا پورا پورا حق ہے اور میں اپنا ہر حق وصول کروں گا چاہے زبردستی کرنا پڑے، چاہے آپ کی رضا سے، کیونکہ آپ ہر طرح سے مجھ پہ حلال ہو چکی ہیں۔'' وہ بہت ہی نپے تلے الفاظ میں کہتا شہر بانو کو بہت کچھ باور کروا چکا تھا، وہ اپنی جگہ پہ جوں کی توں کھڑی رہ گئی اور وہ اس کے ہونٹوں سے ہاتھ ہٹا کر کپڑے چینج کرنے چلا گیا تھا، واپس آیا تو وہ ابھی تک وہیں کی وہیں تھی، اس نے زیرو پاور کا بلب جلا کر بیڈ روم کی تمام لائٹس آف کر ڈالی تھیں اور شہر بانو کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس لے آیا تھا۔

''ایم سوری شہر بانو میں اس طرح کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن جس طرح ایک پرندے کو اپنے پاس رکھنے کے لئے اس کے پر کاٹنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کے لئے بھی یہ سب بہت ضروری ہے، میں تمہیں سرتا پا اپنی ذات، اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، تاکہ تمہاری واپسی کے سارے راستے بند ہو جائیں۔'' ہارون اس کی ساری جیولری اتار چکا تھا اور شہر بانو کے آنسو بے اختیار ہو گئے تھے، اس نے ہر ممکن طریقے سے ہارون کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی کتنی بار ٹوٹے پھوٹے سے بے ربط الفاظ میں اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ جو ٹھان چکا تھا اس سے باز کیسے آ جاتا؟ شہر بانو کی سسکیاں اس کے مضبوط کشادہ سینے میں دب کے رہ گئی تھیں اور وہ کچھ بھی نہ کر سکی تھی، اس کی مضبوط گرفت کے سامنے۔

❁......❁......❁

وہ تو اپنی من مانی کر چکا تھا، لیکن صبح پوری حویلی میں جیسے صف ماتم بچھی ہوئی تھی، بڑی اماں کا بی پی ہائی ہو چکا تھا، زمان گردیزی غصے کی حالت میں تھے، جبکہ اماں سائیں، زینی آپا، رابعہ پھوپھو اور تائی اماں چپ چپ اور خفا خفا سی دکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا آج ناشتہ نہیں ملے گا؟'' اس نے زینی آپا کو دیکھ کر کہا، شاید وہ ہارون سے کچھ کہتیں، لیکن ابا سائیں (رحمان گردیزی) کے اشارے پہ خاموشی سے ہارون کے لئے ناشتہ لینے چلی گئیں۔

''کیسی طبیعت ہے صاحبزادے؟'' رحمان گردیزی نے اخبار پھیلاتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

''آپ کی دعائیں ہیں چچا سائیں!'' وہ کرسی گھسیٹ کر ان کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

''اور ہماری بہو کیسی ہے؟''

''بہت اچھی ہے!'' اس نے شرارت بھرے انداز میں کہہ کر اپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش کی، لیکن چچا سائیں اس کی یہ شرارت یہ سرشاری بھانپ چکے تھے۔

''اب کیا ارادہ ہے؟''

''میں اسے زینی آپا اور تائی ماں کے ساتھ گاؤں بھیج رہا ہوں۔'' زینی آپا ناشتہ رکھ کے گئیں تو اس نے اپنی بات شروع کی۔

''اور تم خود؟ میں بعد میں چلا جاؤں گا۔'' وہ ناشتے کے دوران باتیں بھی کر رہے تھے۔

''مرشد سائیں سے کیا کہو گے؟ تھوڑی دیر تک تو وہ لوگ شہر بانو کو لینے کے لئے آتے ہوں گے؟''

''بس آپ میرے حق میں دعا کریں، میں سب سنبھال لوں گا۔'' دونوں چچا، بھتیجا ہی بہت ریلیکس تھے، جیسے انہیں کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے، پھر تم ان لوگوں کو بھیجنے کی تیاری کرو، ہم تب تک اماں سائیں کی خیریت معلوم کرتے ہیں۔'' وہ اخبار سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اتنے میں ہارون بھی ناشتہ کر چکا تھا۔

''زینی آپا۔'' اس نے ڈرائنگ روم کی سمت جاتی زینی آپا کو آواز دی جو عمر میں ہارون سے پورا ایک سال چھوٹی تھیں، لیکن ہارون اور باقی کزنز ان کے سگھڑاپے، بردباری اور مزاج کی وجہ سے انہیں زینی آپا کہتے تھے، ورنہ کزنز میں سب سے بڑا ہارون ہی تھا۔

''جی فرمایئے؟'' وہ خفگی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو محترمہ شہر بانو کو بھی ناشتہ کروا دیجئے، کیونکہ میرے خیال میں انہوں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔''

وہ بڑے سکون سے کہتا نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور زینی آپا کو یکدم شہر بانو کا خیال آتے ہی اپنی کوتاہی کا دوبارہ سے احساس ہوا تھا، ایک غلطی انہوں نے رات کو کی تھی، اسے ہارون کے بیڈروم میں چھوڑ کر اور ایک غلطی ابھی کی تھی کہ صبح سے اس کی کوئی خیر خبر ہی نہ لی تھی، ہارون سے خفگی کا اظہار کرتے کرتے وہ شہر بانو کو ہی بھول بیٹھی تھیں جو اس گھر میں بالکل انجان تھی، ناسمجھ اور اکیلی تھی۔

''ہائے میں مر جاواں۔'' وہ اپنے سر پہ ہاتھ مارتی فوراً سیڑھیوں کی سمت بھاگی تھیں اور ہارون ان کی یہ بوکھلاہٹ دیکھتا رہ گیا تھا۔ زینی آپا ادھ کھلے دروازے کو دھکیلتی ہوئیں عجلت میں اندر آئی تھیں۔

''شہر بانو...... شہر بانو تم ٹھیک تو ہو؟'' انہوں نے شہر بانو کو کسی بت کی طرح بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو مزید گھبرا گئیں۔

''شہر بانو بولو نا کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' زینی آپا نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا چہرہ تھپکا تو ان کی سوچ کی محویت ٹوٹ گئی اور وہ اگلے ہی پل زینی آپا کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

''شہر بانو اپنے آپ کو سنبھالو تمہاری قسمت میں ہارون کا ساتھ شاید اسی طرح لکھا تھا، ورنہ تمہاری شادی کہیں اور بھی تو ہو سکتی تھی۔'' وہ شہر بانو کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے، فراڈ کیا ہے آپ کے گھر والوں نے اور آپ کے بھائی نے۔'' وہ روتے روتے ان سے الگ ہو گئی تھی۔

''تم شاید یقین نہیں کرو گی شہر بانو گھر والوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، یہ فیصلہ سراسر ہارون کا اپنا فیصلہ تھا، بڑی اماں، چچا سائیں، اور چچی اماں کو تو پتہ بھی نہیں تھا وہ تو رات کو میں نے جا کر بتایا تھا کہ ہارون اپنا ارادہ، اپنی نیت بدل چکا ہے، ورنہ کل تک تو وہ بالکل نارمل تھا بڑی اماں کے فیصلے پہ راضی تھا اچانک پتہ نہیں کیسے اور کیوں یہ سب سوچ لیا؟'' زینی آپا نے سب کی طرف سے صفائی پیش کی تھی۔

''بہت بُرا ہوا ہے یہ سب ابا سائیں اور چچا سائیں کبھی معاف نہیں کریں گے آپ لوگوں کو۔'' وہ روتے ہوئے بولی تھی، زینی آپا جز بز سی ہو رہی تھیں کہ اس سے بھلا اور کیا کہیں۔

''السلام علیکم!'' اچانک دروازے پر دستک کے بعد جانی پہچانی سی آواز ابھری تھی۔

''زہرا آپی!'' شہر بانو بے تابی سے پکاری اور بیڈ سے اٹھ کر ان کے گلے لگ گئی، زہرا کے پیچھے چچی بیگم بھی تھیں۔ (زہرا کی والدہ سید سراج حسین کی بیوی)

''آرام سے شہر بانو آرام سے، اس طرح پاگل کیوں ہو رہی ہو ابھی رات کو ہی تو ملے تھے ہم۔'' زہرا نے اسے مسکرا کر اپنے سے الگ کیا تھا، لیکن اس کے کھلے سیاہ گھنے......نم بال، دھلا دھلایا سا سراپا، سرخ روئی روئی سی آنکھیں اور اس کے جسم سے اٹھتی کسی اور جسم کی مہک نے چونکا کے رکھ دیا تھا، زینی آپا ان لوگوں سے کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گئی تھیں۔

''شہر بانو یہ سب؟'' زہرہ کا اشارہ اس کے سراپے اس کی حالت کی طرف تھا۔

''ہارون گردیزی نے دھوکہ کیا ہے ہمارے ساتھ۔ آپی اس نے مجھے داغ دار کر ڈالا ہے!'' وہ بلک بلک کر روتی سب بتا رہی تھی اور چچی بیگم دھک سے رہ گئیں، البتہ زہرا نے دل ہی دل میں ایک نعرہ لگایا تھا۔ ''یاہو!'' اس کا جی چاہا وہ ہارون گردیزی کا کندھا تھپک کر اسے اس کارنامے پہ شاباشی دے اور پھولوں کا ہار پہنائے جو رسم آج تک بے زبان جانور کی طرح ان کا ہر مرید نبھاتا آیا تھا وہ رسم ہارون گردیزی نے اپنی مردانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک رات میں توڑ ڈالی تھی، زہرا بہت خوش ہوئی تھی، وہ اب بار بار شہر بانو کو شرارتی نظروں سے دیکھ دیکھ کر چھیڑ رہی تھی، جبکہ چچی بیگم معاملے کی سنگینی کا سوچ کر ہی کانپ گئی تھیں، ان کے ساتھ شہر بانو کو لینے کے لئے سید سراج حسین آئے ہوئے تھے۔

❁......❁......❁

''یہ کیا بکواس ہے؟'' وہ یکدم مشتعل ہو کر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے۔

''یہ بکواس نہیں میرا حق ہے مرشد سائیں ہر میاں، بیوی کو ایک ساتھ رہنے کا حق اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے آپ بھلا کیسے روک سکتے ہیں؟ آپ بھی تو اپنی بیویوں کے ساتھ رہتے ہیں، ہم نے اگر یہ بات کر لی تو کیا بُرا ہے، ہر مرد اپنی بیوی کو اپنی عزت کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ میری بیوی میرے گھر میں میرے ساتھ رہے گی اور کہیں نہیں جائے گی۔'' ہارون اپنے فیصلے پہ جم چکا تھا، سید سراج حسین کا غیض و غضب سے بُرا حال ہونے لگا۔

''ہم نے یہ شادی صرف ایک رسم کے تحت کی تھی۔''

''لیکن میں نے یہ شادی عمر بھر کا ساتھ نبھانے کے لئے کی تھی، میں آپ کی صاحبزادی (بھتیجی) کو شرعی بیوی مان چکا ہوں۔'' اس نے انہیں جیسے کچھ باور کروانا چاہا تھا۔

''ہارون گردیزی تم نہیں جانتے کہ ہماری رسمیں ہمارے لئے کیا ہیں؟'' وہ دانت پیس کر بولے تھے۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کی رسمیں آپ کے لئے کیا ہیں؟ جو صرف بیٹیوں سے شروع ہو کر بیٹیوں پہ ہی ختم ہو جاتی ہیں، کبھی ان کو کاری کر دیا جاتا ہے، کبھی قرآن سے نکاح کر کے کونے میں ڈال دیا جاتا ہے اور کبھی نام نہاد صدقے کا ڈھونگ رچا کر جیتے جاگتے مار دیا جاتا ہے! مجھے صرف اتنا بتا دیں مرشد سائیں کہ آپ کی نسل، ایک لڑی میں کبھی کسی بیٹے کو کاری کیا گیا ہے؟ کبھی کسی بیٹے کا صدقہ دیا گیا ہے اسی طرح؟ اونہہ یہ سب رسمیں آپ کی خود ساختہ رسمیں ہیں اور صرف دنیا کی نظر میں منفرد بننے کے لئے، اپنے مریدوں کو متاثر کرنے کے لئے، جبھی تو آپ جس بیٹی کو صدقہ کرنے کے لئے شادی کرتے ہیں اس کی شادی میں ہزاروں لوگوں کو انوائیٹ کرتے ہیں تاکہ لوگوں پہ آپ کی دھاک بیٹھ جائے کہ آپ اپنے اصولوں کے بہت پکے ہیں، اور آپ کے اصولوں اور رسموں سے آپ پر بھلا کیا اثر پڑتا ہے؟ زندگی تو بیٹی کی تباہ ہو جاتی ہے نا؟ اور اس شخص کی ذہنی کیفیت کا اندازہ آپ کو بھلا کیسے ہو سکتا ہے جو آپ کی بیٹیوں سے شادی کر کے عمر بھر ان کا نام بھی نہیں لے سکتا، حالانکہ جتنا حق اسے ہوتا ہے اتنا تو آپ کا بھی نہیں ہوتا، بے شک وہ آپ کی بیٹی ہوتی ہے، اور ہاں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ رسم یہ نکاح اپنے خاندان کے کسی مرد کے ساتھ کیوں نہیں کرتے؟ کیا اس میں اتنا حوصلہ نہیں ہوتا؟ یا پھر آپ کو اس پہ اعتماد نہیں ہوتا؟" ہارون بولنے پہ آیا تو سبھی دیکھتے رہ گئے تھے، زمان گردیزی کی بھی آنکھیں کھل گئی تھیں، اور سید سراج حسین کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا سے کیا کر ڈالیں۔

"مرشد سائیں پیر، فقیر بننا تو بہت آسان ہے، مگر کسی کا مرشد بننا بہت مشکل ہوتا ہے اپنی خوشی اور اپنے غم کے لئے تو انسان کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ان کے غموں کو اپنا ہتھیار نہیں بنانا چاہیے میری بڑی اماں آپ لوگوں کے پاس ایک آس ایک امید لے کر گئی تھیں کہ آپ اُن کے لئے اللہ سے دعا کریں گے، آپ ان کی دعا کا وسیلہ بنیں گے، انہیں دعا دیں گے، مگر آپ لوگوں نے دعا کے بدلے پوری زندگی کی قیمت مانگ لی؟ آپ نے دعا کا سودا کیا۔ کیا کبھی دعا بھی بیچی جاتی ہے؟ انسان کا چڑھاوا، انسان کا صدقہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں لیا، آپ کیسے لے سکتے ہیں؟

بے شک آپ سید زادے ہیں، میں آپ کا اور آپ کی آل اولاد کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتا ہوں، مگر آپ کے اس ظلم میں کسی بھی مروت اور لحاظ سے کام نہیں لوں گا، لہٰذا آپ سمجھ جائیں کہ شہر بانو میری بیوی ہے اور آپ کے ساتھ نہیں جائے گی، یہ میرا فیصلہ ہے۔" وہ بات ختم کرتے ہوئے بولا تھا اور سید سراج حسین نہ جانے کیا سوچتے ہوئے اپنی بیوی اور بیٹی کو ساتھ لے کر واپس چلے گئے تھے، شہر بانو روتی بلکتی رہ گئی تھی، ہارون گردیزی نے اسے اس کے اپنوں سے جدا کر ڈالا تھا۔

❁.......❁.......❁

اس نے شادی کے دوسرے روز ہی شہر بانو کو باقی سب کے ساتھ حویلی بھیج دیا تھا، البتہ خود وہ شہر ہی رک گیا تھا، اسے اپنا ایک بہت اہم کام نبٹانا تھا، حالانکہ رحمان گردیزی نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لئے بہت اصرار کیا تھا، مگر وہ چاہتے ہوئے بھی گاؤں نہیں جا سکا تھا، بڑی اماں ابھی بھی ہارون سے ناراض تھیں اور ان کی طبیعت بھی کچھ خراب تھی، لیکن شہر بانو کے ساتھ ان کا رویہ بہت اپنائیت بھرا تھا، بلکہ اندر سے شہر بانو کے سامنے آ کر اپنے آپ کو شرمندہ محسوس کرتی تھیں، وہ اپنے آپ کو مجرم گردانتی تھیں، مگر وہ یہ نہیں سوچتی تھیں کہ جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں، شاید یہ بھی اللہ کی طرف سے حکم ہی تھا کہ شہر بانو کی زندگی تباہ ہونے سے بچ گئی تھی۔ اور شہر بانو؟ اسے تو ایسی چپ لگ گئی تھی کہ زہرا آپی اور چچی بیگم کے جانے کے بعد سے

اب تک زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا، وہ تو جیسے گم سم ہو کر رہ گئی تھی، زینی آپا نے اسے چادر اوڑھائی اور ساری چیزیں سمیٹ کر اسے ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ راستے کے دوران بھی زینی آپا نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

وہ لوگ حویلی پہنچے تو رحمان گردیزی کی چھوٹی بیٹی ثانیہ جو اپنے پیپر کی تیاری کی وجہ سے ان کے ساتھ شادی میں نہیں جا سکی تھی، تمام ملازموں اور گاؤں کی چند عورتوں کے ہمراہ پھولوں سے بھری پلیٹیں لئے اپنی نئی نویلی بھابی کا استقبال کرنے کیلئے تیار کھڑی تھی۔

''ہائے بھابی کیسی ہیں آپ؟'' شہربانو گاڑی سے اتری تو سب نے پھولوں کی برسات کر ڈالی تھی، ثانیہ جلدی سے پھولوں کی پلیٹ زینی آپا کو تھما کر شہربانو کے پاس آ کر بہت خوشی سے چہکی تھی، جیسے برسوں سے جان پہچان ہو! اب بھابی نے کچھ کہا ہے یا نہیں وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اس کے گلے لگ گئی تھی، اسے تو یہی دیکھ کر بے پناہ خوشی ہو رہی تھی کہ اس کی بھابی اتنی خوبصورت ہیں ہارون بھائی کی جوڑی بہت سجے گی۔

''ثانیہ اب بس کرو شہربانو اتنا سفر کر کے آئی ہے، تھکی ہوئی ہے، راستہ دو اسے!'' زینی آپا نے ثانیہ کو گھورا اور ایک ہاتھ سے اسے پیچھے ہٹایا تھا۔

''آئیے بھابی اندر آئیے!'' وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی تھی، رحمان گردیزی اس کی عجلت اور خوشی پہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔

''چلو نا بیٹا رک کیوں گئی ہو؟'' زمان گردیزی اور خدیجہ بیگم نے اسے آگے بڑھنے کا کہا، وہ خاموشی سے کسی سوچ میں ڈوبی افسردہ سی اندر آ گئی تھی۔

❁......❁......❁

''تم گاؤں کب آ رہے ہو؟'' ایک ہفتہ ہو گیا تھا ان لوگوں کو حویلی آئے ہوئے، لیکن ہارون ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔

''بس کام ختم ہوتے ہی آ جاؤں گا، کیوں خیریت تو ہے نا؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا، کیونکہ رحمان گردیزی کافی سختی سے پوچھ رہے تھے۔

''کام ختم کرو اور جلدی آؤ، بلکہ کل ہی آ جاؤ، کام وام پھر بھی ہوتے رہیں گے۔'' وہ جھنجھلا کر بولے تھے۔

''لیکن چچا سائیں کچھ بتائیں تو سہی؟ ایسی کیا آفت آن پڑی ہے؟''

''صاحبزادے تمہیں پتہ تو ہے بیویاں بھی کسی آفت سے کم نہیں ہوتیں۔''

''اوہ اچھا...... اچھا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہماری آفت...... سوری ''بیوی'' کو کیا ہوا ہے؟'' وہ کافی دلچسپی اور شرارت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''بیٹا یہی تو مسئلہ ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوتا، وہ ہر بات پہ چپ رہتی ہے، اس کا پورا دن خاموشی میں گزر جاتا ہے، کمرے میں کھانا کھاتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور سو جاتی ہے، بس یہی اس کی زندگی ہے اور اماں سائیں اسے دیکھ کر جلتی رہتی ہیں، ان کی طبیعت بھی مسلسل خراب ہے۔'' رحمان گردیزی اب کچھ متفکر سا بول رہے تھے۔

''او کے میں کوشش کرتا ہوں جلدی آنے کی، آپ پریشان نہ ہوں آ کر سب ٹھیک کر لوں گا۔'' وہ کہتے کہتے پھر شرارت سے کہہ گیا تھا۔

''ہاں ہمیں بھی پتہ ہے کہ تمہارے آنے سے سب ٹھیک ہو جائے گا، اسی لئے تو تمہیں آنے کا کہہ رہے ہیں۔'' وہ بھی ہنس دیئے تھے۔

''انشاءاللہ آرہا ہوں۔''

''اور سناؤ مرشد سائیں کی طرف سے کوئی رسپانس ملا؟''

''نہیں ان لوگوں نے تو دوبارہ کوئی رابطہ ہی نہیں کیا، اب پتہ نہیں وہ میری بات سمجھ گئے ہیں یا پھر کوئی ری ایکشن سوچ رہے ہیں؟'' ہارون نے لاپروائی سے کہا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن تم پھر بھی اپنا خیال رکھا کرو، ایسے لوگ بدلہ لینا بھی نہیں بھولتے، کہیں کوئی نقصان نہ کر دیں۔'' رحمان گردیزی فکرمند ہونے لگے۔

''ڈونٹ وری چچا سائیں اللہ سب بہتر کرے گا۔'' اس نے انہیں تسلی دے کر فون بند کر دیا تھا۔

ایک ہفتے کا کہتے کہتے اسے دو ہفتے لگ گئے تھے اور وہ شام ڈھلے اتنے طویل سفر کے بعد تھکا ہارا گھر آیا تو اتفاقاً پہلا سامنا شہربانو سے ہی ہوا تھا، وہ حویلی کے لان کی سیڑھیوں پہ بیٹھی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی، جب اتنی بڑی روش پہ پھسلی ہارون کی بلیک مرسڈیز سیڑھیوں کے قریب ہی آ رکی تھی، اس نے ہارن پہ ہاتھ رکھ کر شہربانو کی ساری محویت توڑ ڈالی تھی، اس نے چونک کر چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی گاڑی کو دیکھا، اتنے میں وہ خود بھی گاڑی سے اتر آیا تھا، گرے کلر کے سمپل سے شلوار سوٹ میں ملبوس وہ سچ مچ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ لیکن شہربانو کو سامنے دیکھ کر اس کی تھکن میں کافی حد تک کمی آئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ قریب آ کر کچھ بولا ہی تھا کہ شہربانو یکدم اٹھ کر اندر بھاگ گئی تھی اور وہ دیکھتا رہ گیا، اسے اس استقبال کی امید تو بالکل نہیں تھی، لیکن خیر!

''ہارون تم کب آئے؟ یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' تائی اماں نہ جانے کس کام سے باہر نکلی تھیں، ہارون کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

''ابھی آیا ہوں تائی اماں آپ سنائیں کیسی ہیں؟'' وہ سر جھٹک کر ان کے ساتھ اندر آ گیا۔

''ہارون بھائی!'' ثانیہ اسے دیکھ کر یکدم صوفے سے اتری تھی، اس کا لہجہ خوشی سے بھر گیا تھا۔

''کیسی ہو چھوٹی؟ کیا کر رہی ہو آج کل؟'' ہارون اسے بازو کے گھیرے میں لے کر صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

''سلام اماں سائیں۔'' خدیجہ بیگم کو دیکھ کر اسے ایک بار پھر صوفے سے اٹھنا پڑا تھا۔

''جیتے رہو، آباد رہو!'' وہ دو ہفتے بعد بیٹے کی صورت دیکھ رہی تھی، لہٰذا ساری خفگی بھلا کر اس کے ماتھے پہ پیار دیئے بنا نہ رہ سکیں۔

''بھائی اتنی دیر کیوں لگا دی؟ بھابی تو ہم سے بات بھی نہیں کرتیں، میں تو بلا بلا کر تھک جاتی ہوں، میں بہت مس کر رہی تھی آپ کو!'' ثانیہ نے اپنا قصہ شروع کر ڈالا اور وہ دلچسپی سے بیٹھ کر ہنستا رہا تھا۔

''اگر تم میں ذرا سی بھی عقل ہے تو اپنے بھائی کو کمرے میں جانے دو وہ تھکا ہوا آیا ہے اس نے ابھی کپڑے بھی تبدیل کرنے ہوں گے!''

تائی اماں دوبارہ ڈرائنگ روم میں آئیں تو بیٹی کی حماقت پہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

''اوہ سوری بھائی مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ بھابی آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ شرمندہ ہونے لگی۔

''ارے پاگل ایسی کوئی بات نہیں، بیٹھو تم۔''

''نہیں آپ پہلے کپڑے چینج کر لیں۔''

''اوکے سویٹ ہارٹ۔'' وہ اس کا گال تھپک کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا اور اپنے بیڈروم میں آتے ہوئے اس کی چال کچھ اور ہو چکی تھی جیسے ہلکا سا خمار چھو کے گزر گیا ہو۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو کمرہ خالی نظر آیا تھا۔ ایک پل کے لئے اسے تشویش سی ہوئی، لیکن اگلے ہی پل باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر مطمئن ہو گیا تھا اور تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا، اسے اسی طرح چاروں شانے چت لیٹے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی، لیکن شہر بانو واش روم سے باہر نہیں آئی تھی، ابھی وہ اسے پکارنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود ہی باہر آ گئی تھی، اس کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ بھیگا ہوا تھا، یقیناً وہ وضو کر کے آئی تھی۔

''لگتا ہے مجھ سے ناراض ہیں آپ؟'' وہ جائے نماز لے کر پلٹی ہی تھی کہ ہارون بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''راستہ دیں مجھے!''

''پہلے آپ میری بات کا جواب دیں۔''

''میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں پیچھے ہٹیں۔'' شہر بانو خفگی سے بولی۔

''نماز پڑھنے تو مجھے بھی جانا ہے ابھی مغرب کی اذان ہونے میں بھی دس منٹ باقی ہیں، زوجہ محترمہ آپ کو نماز کی اتنی جلدی کیوں ہو رہی ہے؟'' اس نے شہر بانو کے ہاتھ سے جائے نماز لے کر ٹیبل پہ رکھ دی اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔

''اس لئے کہ میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتی!'' وہ غصے سے کہتی اپنے ہاتھ چھڑا کر رخ موڑ گئی تھی، جبکہ ہارون کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا شاید زندگی میں پہلی بار وہ اس طرح بے ساختہ اور دل کھول کے ہنسا تھا۔

''اوہ تو آپ مجھے چھوڑ کر نماز میں پناہ ڈھونڈ رہی ہیں؟ لیکن آپ کو ایک بات بتا دوں کہ اگر آپ مجھے نہیں دیکھیں گی تو اللہ تعالیٰ آپ کو نہیں دیکھے گا۔ آپ ابھی میرے حقوق نہیں جانتیں زوجہ محترمہ!'' اس نے رخ موڑ کے کھڑی شہر بانو کو بہت نرمی اور استحقاق سے بانہوں میں بھر لیا تھا اور شہر بانو اس کی اس قدر بے باک حرکت پہ گھبرا گئی تھی، اس کے پہلے سے بھیگے ہاتھوں میں پسینہ اتر آیا تھا، یوں لگ رہا تھا شہر بانو کی جان ہارون کی بانہوں کے گھیرے میں بندھ گئی ہو، اس کا دل سینے کے پنجرے سے ٹکرا ٹکرا کر پاگل ہونے لگا تھا، شرم سے گال تپ اٹھے تھے۔

''آپ کو کیسے بتاؤں میری جان میں نے آپ کا کچھ سنوارا ہی ہے بگاڑا نہیں، پھر بھی آپ مجھ سے ہی خفا ہیں؟'' اس نے عقب سے شہر بانو کے کان میں کافی گمبھیر لہجے میں کہا تھا، جبکہ شہر بانو اس کے حصار میں جکڑی کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''پلیز مجھے جانے دیں نماز کا وقت ہو رہا ہے!'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل بولی تھی۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم!

نہ ادھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے!

وہ بہت ہی دلکش لہجے میں کہتا اپنے لفظوں، اپنی وجاہت اور مردانگی کا سحر اس کے چہار سو بکھرا رہا تھا، وہ ازل سے کمزور دل کی نرم کومل سی ڈھیلی ڈھالی لڑکی بے بسی سے اپنی دھڑکنیں سنبھالتی رہ گئی تھی۔

''اللہ کو پا لینے کی طلب میں، اس کے دیے ہوئے رشتوں سے منہ پھیر لینا بھی اللہ کو پسند نہیں شہر بانو......'' اس نے بانہوں کا حصار کھولتے ہوئے شہر بانو کا رخ اپنی سمت موڑ لیا تھا، وہ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

''ہم لوگ صرف نماز ادا کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا رب ہم سے خوش ہو گیا ہے اور ہم نے جنت خرید لی ہے، لیکن ہم یہ سوچنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ہمارے رب کی خوشی تو اور بھی بہت سے کاموں میں ہے، جیسے ایک میاں، بیوی کے خوشگوار تعلقات میں، جیسے گھر میں موجود بڑوں کا احترام کرنے میں، جیسے ہر کام کو رب کی رضا ماننے میں، جیسے ساس، سسر کو بھی اپنا ماں، باپ سمجھنے میں اور جیسے ایک اچھی بیوی بننے میں۔''

اس نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے مطلب کی بات کہہ ڈالی تھی اور شہر بانو نے اگلے ہی پل چونک کر اسے دیکھا تھا۔ لیکن وہ گہری سانس خارج کرتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

''تم نماز پڑھو، تب تک میں بھی وضو کر لیتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگا، شہر بانو کھوئی کھوئی سی آگے بڑھ گئی، وہ کپڑے بدل کر وضو کر کے نکلا، تب جا کر اذان کی آواز سنائی دی تھی، وہ جو اتنی دیر سے نماز، نماز پکار رہی تھی، اب اذان ہوئی تو نظریں چرانے پہ مجبور ہو گئی تھی، البتہ وہ کچھ بھی جتائے بغیر اپنی جیب سے سفید ٹوپی نکالتا باہر نکل گیا تھا۔ اسے مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانا تھا اور مسجد ان کی حویلی سے کافی زیادہ دور تھی۔

❁......❁......❁

شہر بانو نے ہارون کی اتنی گہری بات کا اثر بھی کافی گہرائی سے ہی لیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ صبح ثانیہ کے بلانے پہ ناشتا کرنے چلی آئی، حالانکہ وہ اتنے دنوں سے اکیلی بیڈ روم میں ہی ناشتہ اور کھانا وغیرہ لیتی تھی اور ثانیہ روزانہ اسے بلانے آتی اور ناامید لوٹ جاتی تھی۔ لیکن آج تو ثانیہ کے دل کی کلی بھی کھل اٹھی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے ٹیبل پہ موجود افراد کو سلام کیا تھا اور وہ سب پہلی بار اس کی آواز سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔

''جیتی رہو بیٹا خوش رہو!'' رحمان گردیزی نے باقاعدہ اُٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

''السلام علیکم۔'' زمان گردیزی ڈائننگ روم میں داخل ہوئے تو اس نے انہیں بھی سلام کیا تھا اور زمان گردیزی اسے سب کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے تھے۔

اور خوش تو بڑی اماں بھی بہت ہو رہی تھیں وہ جو اتنے دنوں سے اپنے مرشد سائیں سے دھوکے کا روگ لئے بیٹھی تھیں، آج کچھ دیر کے اس

''میں کہہ رہا ہوں آپ کمرے میں جائیں۔'' اب کی بار اس کی آواز قدرے بلند تھی اور شہر بانو وہاں موجود تمام افراد پہ نگاہ ڈالتی، آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے چلی گئی تھی اور ہارون ابا سائیں اور چچا سائیں کے ساتھ حویلی کے مردان خانے میں آ گیا تھا، جہاں سید سراج حسین اور سید قائم حسین ان کے منتظر بیٹھے تھے۔

''السلام علیکم مرشد سائیں۔'' ہارون نے سلام میں پہل کی تھی۔ سید سراج حسین سے تو وہ لوگ واقف تھے، البتہ سید قاسم حسین سے پہلی مرتبہ ملاقات ہو رہی، کیونکہ وہ تقریباً چھ، سات روز قبل ہی انگلینڈ سے واپس آئے تھے اور یہاں ہونے والے کارنامے کا انہیں ابھی پتہ چلا تھا، وہ شہر بانو کے سب سے بڑے بھائی تھے، جنہیں وہ لالہ جی کہتی تھی۔

''کیسے ہیں مرشد سائیں؟ آج ہمیں کیسے یاد کر لیا؟'' ہارون نے بہت اچھے طریقے سے ماحول میں رچی سنگین خاموشی کو توڑا تھا اور بات کا آغاز کیا۔

''تم اپنی سناؤ برخوردار تم کس حال میں ہو؟ اور ہم تمہیں کیسے بھول سکتے ہیں تم نے ہمارے ساتھ کیا ہی کچھ ایسا ہے کہ بھولنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ لب بھینچتے ہوئے بولے تھے۔

''میں نے آپ کے ساتھ کچھ نہیں کیا، بس آپ کی رسم کے خلاف قدم اٹھایا ہے، مرشد سائیں میں نے ایک لڑکی کی زندگی برباد ہونے سے بچائی ہے، کوئی گناہ نہیں کیا میں نے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنے موقف پہ ڈٹا ہوا تھا۔

''تم نے ہماری لڑی میں صدیوں سے چلی آنے والی رسم کو توڑا ہے، ہمارے بڑے بزرگوں کے رواج اور روایات کو داغ لگایا ہے تم نے اچھا نہیں کیا۔ خیر چھوڑو اس بات کو شہر بانو کہاں ہے بلاؤ اس کو۔'' وہ بہت ہی بے نیازی سے بولے تھے۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں اس سے ملنے کی؟'' اس نے استفسار کیا تھا۔

''وہ ہماری بیٹی ہے، کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے؟'' وہ بہت ضبط کرتے ہوئے بولے۔

''آپ کی بیٹی اب میری بیوی ہے، اس لئے میرا حق ہے کہ میں اس سے ملنے والے ہر بندے سے وجہ پوچھ سکوں۔'' وہ بھی بحث کرنے پہ آتا تو پھر کچھ بھی نہیں دیکھتا تھا۔

''ہارون بیٹا چھوڑو ان سب باتوں کو جاؤ شہر بانو کو لے کر آؤ۔'' رحمان گردیزی نے درمیان میں بول کر ہارون کے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی، مجبوراً وہ اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا جہاں وہ اکیلی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

''چلئے زوجہ محترمہ آپ کی ملاقات آئی ہے۔'' وہ اسے آنسو بہاتے دیکھ کر نہ جانے کیوں طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''کون آیا ہے؟'' وہ بے تابی سے استفسار کر رہی تھی۔

''چل کر خود دیکھ لیجئے۔'' وہ دروازے کا ہینڈل پکڑے کھڑا تھا، شہر بانو جلدی سے چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی تھی۔ رحمان گردیزی اور زمان گردیزی ان کو تنہائی فراہم کرتے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل گئے تھے، البتہ ہارون اندر ہی صوفے پہ براجمان تھا، شہر بانو اپنے لالہ جی اور چچا سائیں سے گلے مل کر خوب روئی تھی، یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''صبر سے کام لو بیٹا صبر سے، ہم تمہیں لینے کے لئے ہی آئے ہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی تھی، جبکہ ہارون نے بُری طرح چونک کر ان کو دیکھا تھا، وہ جیسے کچھ سوچ کر آئے تھے وہاں۔ اتنے میں ہارون کا سیل فون بج اٹھا تھا، کال یقیناً خاصی اہم تھی، تبھی وہ اٹھ کر راہداری کی سمت چلا آیا تھا، اب سید سراج حسین، سید قاسم حسین اور شہر بانو کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ تقریباً پانچ منٹ کال سننے اور پانچ منٹ اپنا کوئی کام نبٹانے کے بعد دوبارہ اندر داخل ہوا تو وہ لوگ جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''شہر بانو ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔''

''کس سے پوچھ کر؟'' اس کا انداز سرد تھا۔ اس کے اس انداز پہ شہر بانو اور سید قاسم نے ٹھٹک کر دیکھا تھا۔

''ایک بیٹی کے باپ کی طبیعت خراب ہو اور وہ ہسپتال میں پڑا ہو تو ہمارا خیال ہے کوئی بھی روکنے کا حق نہیں رکھے گا۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ اسے روکنے کا کوئی بھی حق نہیں رکھتا، سوائے اس کے شوہر کے۔'' وہ کافی سخت لہجے میں بول رہا تھا۔

''برخوردار تم جان بوجھ کر......''

''دیکھئے مرشد سائیں آپ چاہے جو بھی جتن کر لیں، میں اپنی بیوی کو آپ کے ساتھ نہیں بھیج سکتا، چاہے اس کے والد محترم بیمار پڑ جائیں، چاہے پورا خاندان۔'' ''ہم اسے لے کر جا رہے ہیں۔''

''او کے اگر آپ میری اجازت کے بغیر اسے یہاں سے لے کر جا سکتے ہیں تو ٹھیک ہے جائیے۔'' وہ ذرا سا پیچھے ہٹ گیا تھا، لیکن اس کے خاص ملازم کافی بھاری بھر کم اسلحہ لئے کھڑے تھے، وہ لوگ اس وقت نشانے کی زد میں تھے۔ شہر بانو کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''اللہ کے لئے ہارون آپ کچھ خیال کریں۔'' شہر بانو پہلی بار اس طرح مخاطب ہوئی تھی، وہ کسی اور موڈ میں ہوتا تو ضرور انجوائے کرتا، مگر اس وقت سرد مہری کے سوا کچھ نہیں تھا اس کے پاس۔

''پلیز ہارون میرے بابا سائیں کی طبیعت خراب ہے، مجھے جانے دیں پلیز۔'' وہ کوئی بدمزگی نہیں کروانا چاہتی تھی، جب ہی لجاجت سے کام لیا تھا۔

''آپ آج کی گئی کبھی واپس نہیں آئیں گی، شہر بانو لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ کہیں نہ جائیں۔'' وہ کسی طور ماننے والا نہیں تھا، یہاں تک کہ شہر بانو نے ہاتھ بھی جوڑ دیئے تھے۔

''ٹھیک ہے ہارون گردیزی آپ نے جو چاہا وہ کیا۔ اب جو ہم چاہیں گے وہ ہو گا، چلئے چچا سائیں چلتے ہیں اب۔'' سید قاسم حسین پہلی بار بولے تھے اور فیصلہ کن بولے تھے شہر بانو کا ہاتھ چھوڑ کر انہیں چلنے کا کہا تھا اور وہ بھی خاموشی سے لب بھینچ کر وہاں سے چل پڑے تھے۔

''چچا سائیں، لالہ جی۔'' وہ پیچھے سے پکاری تھی، لیکن سید قاسم حسین نے اسے روک دیا تھا، خود تیزی سے باہر نکل گئے تھے، ہارون نے اپنے آدمیوں کو جانے کا اشارہ کیا اور اس کی سمت پلٹا، مگر وہ لہرا کر فرش پہ آ رہی تھی، اسے ان کے چلے جانے کا اتنا گہرا صدمہ ہوا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور ہارون کچھ گھبرا سا گیا تھا۔

کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی گنگنا رہی تھی اور گہرا سناٹا دم سادھے کھڑا تھا، جب بمشکل اس کی آنکھ کھلی تھی، اس نے کچھ یاد آنے پہ چونک کر گردن موڑی، ہارون چند انچ کے فاصلے پہ لیٹا سو رہا تھا۔ لیکن اس کا ہاتھ شہر بانو کے اوپر پورے استحقاق سے رکھا تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کے لمس، اس کی اتنی قربت سے یکدم تڑپ کے اٹھ جاتی، لیکن آج کچھ ایسا تھا کہ وہ اس کے لمس کی وجہ سے نہیں اپنے اندر اُمڈنے والی نفرت کی وجہ سے اٹھ بیٹھی تھی اور اس کے اس طرح یکدم جھٹکے سے اٹھ جانے کی وجہ سے ہارون کی نیند بھی ٹوٹ گئی تھی۔ صبح وہ گہرے صدمے کی وجہ سے بلڈ پریشر لو ہو جانے کی بنا پر بے ہوش ہو گئی تھی اور ڈاکٹر نے اس کے لئے ڈرپ تجویز کی تھی، اس لئے دوائی کے زیر اثر وہ رات گئے تک غنودگی میں رہی تھی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' ہارون نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اس کی کلائی چھو کر دیکھی۔

''پلیز مجھے ہاتھ مت لگائیں۔'' وہ ناگوار لہجے میں بولی تھی۔

''کیوں ہاتھ نہ لگاؤں؟ یہی تو وقت ہوتا ہے آپ کو ہاتھ لگانے کا۔'' اس نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے شہر بانو کو بازو سے پکڑ کر اپنی سمت جھکا لیا تھا، کمرے میں نیم تاریکی کی وجہ سے وہ ابھی تک اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پایا تھا۔

''مگر مجھے آپ کا لمس اذیت دیتا ہے، بُرا لگتا ہے، نفرت ہوتی ہے مجھے آپ سے۔ آپ انسان نہیں، بہت بے رحم اور بے حس جانور......''

''شہر بانو۔'' یکدم ہارون کا ہاتھ اٹھا تھا اور شہر بانو کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔

''کبھی کسی اور کی وجہ سے مجھ سے اونچی آواز میں بات کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔ ہاں اگر تمہارے ساتھ کچھ ناانصافی یا کچھ بُرا کروں تو پھر چاہے کچھ بھی کر لینا، کچھ بھی۔'' وہ لفظ چبا چبا کر کہتا بستر سے اُٹھ گیا تھا۔ شہر بانو روتی ہوئی دوبارہ تکیے پہ گر گئی تھی، جبکہ ہارون دروازہ کھول کر ٹیرس پہ چلا گیا تھا اور اس نے ساری رات ٹھنڈک میں ٹیرس پہ کھڑے کھڑے گزار دی تھی، فجر کی اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد چلا گیا۔

❁......❁......❁

وہ دوبارہ اس سے کوئی بات کئے بغیر شہر واپس چلا گیا تھا، اتنی جاگیر، اتنی جائیداد ہونے کے باوجود وہ اپنا بزنس کرتا تھا، اسے باپ، دادا کی کمائی پہ عمر بھر عیش کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا، حالانکہ رحمان گردیزی اور زمان گردیزی اسے منع کرتے تھے کہ اور کاموں میں پڑنے کی بجائے وہ اپنی جاگیر سنبھالے تو انہیں خوشی ہو گی، لیکن اسے ابھی سے جاگیرداری کے جھنجٹ میں پڑنا پسند نہیں تھا۔ اگرچہ وہ لوگ اصرار بھی کرتے رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے ان کا اکلوتا لاڈلا سپوت ہر وقت حویلی میں نظر آتا رہے، مگر وہ...... وہ جو پہلے ایک، دو ہفتے بعد آ جاتا تھا، اب دو ماہ گزر جانے کے بعد بھی حویلی آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

شہر بانو مسلسل دو ماہ سے اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی، اس نے سب سے ترک تعلق کر رکھا تھا، یہاں تک کہ ثانیہ اور زینی آپی سے بات بھی نہیں کرتی تھی، حالانکہ زینی آپا دوبارہ اپنے سسرال سے بطور خاص اس سے ملنے کے لئے آئی تھیں، لیکن وہ تو جیسے گونگے کا گڑ کھا بیٹھی تھی۔

''شہر بانو تم بتاتی کیوں نہیں بولو کیا ہوا ہے، کوئی ناراضی ہوئی ہے تم دونوں میں؟ اس نے تم سے کچھ کہا ہے؟ اللہ کے لئے کچھ تو بتاؤ، ہم سے بات تو کرو۔'' زینی آپا نے بالآخر اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔

''کیوں کروں آپ سے بات؟ کیا رشتہ ہے میرا اور آپ کا؟ کس حیثیت سے مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں؟ اونہہ جس حوالے سے آپ مجھے دیکھ رہی ہیں اس حوالے کو دو ماہ سے میں نے تسلیم کرنا چھوڑ دیا ہے، آپ سب لوگ دھوکے باز، دوغلے اور انتہائی بے رحم لوگ ہیں، انسانیت ختم ہو چکی ہے آپ لوگوں سے...... میں آپ سب کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی، چلی جائیں یہاں سے، آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے اور بات کرنے سے بہتر ہے میں اکیلی خاموش کمرے میں بیٹھی رہوں۔'' وہ یکدم پھٹ پڑی تھی اور اس کے اندر اُبلنے والا زہر پوری شدت سے باہر آیا تھا، زینی آپا کتنے ہی لمحے ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھیں، اس کے الفاظ، اس کا لہجہ سن کر وہ بے یقین سی ہو رہی تھیں کہ کیا یہ سب کچھ شہر بانو نے ہی کہا ہے نا؟ وہ شہر بانو جو ذرا سا اونچا بولتے ہوئے بھی سو بار سوچتی تھی، جس کا لہجہ ہی اتنا ملائم ہوتا تھا کہ ہر بات میٹھی لگتی تھی۔

''لیکن شہر بانو اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی نا؟ آخر ہوا کیا ہے؟'' زینی آپا نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے دوبارہ سے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

''جب آپ کا بھائی میرے گھر والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا ہے، میرے بابا کی طبیعت خراب کا سن کر بھی اس پہ کوئی اثر نہیں ہو سکتا، میرے رشتوں کی عزت نہیں کر سکتا، میرے بڑے بزرگوں کی رسم و روایات توڑ سکتا ہے تو میں بھی ایسا کر سکتی ہوں، میں بھی اس کے رشتے ناطے نبھانے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ چیخ گئی تھی اور زینی آپا کو سارا معاملہ سمجھ آ گیا کہ وہ کس وجہ سے ایسی ہو رہی ہے۔

''شہر بانو وہ بھی تو تمہارا بھلا ہی چاہتا ہے تمہاری زندگی کو بے رنگ ہونے سے بچا رہا ہے، بلکہ تمہیں ہی نہیں تمہاری آئندہ نسل میں پیدا ہونے والی بیٹیوں کو بھی بچانے کی کوشش کر رہا ہے، آج اگر تم اس رسم کی بھینٹ چڑھ جاتیں تو کل تمہارے بڑے بھائی کی بیٹی کو بھی اس رسم کے نام پہ قربان کیا جا سکتا تھا، کیا تم چاہو گی کہ تمہاری بھتیجی کے ساتھ ایسا کچھ ہو؟'' زینی آپا نے اسے آئندہ کا منظر دکھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی بھتیجی کا سن کر چونک گئی تھی۔

''تم اپنے بارے میں نہ سوچو، مگر ایک بار آنے والی نسل کی بیٹیوں کو سوچو، ان کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر یہ بھی سوچنا کہ ہارون کس حد تک غلط ہے؟'' وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر چلی گئیں اور شہر بانو حقیقتاً ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔ اپنے سے آگے تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی بھتیجی بھی؟

چند دنوں سے اس کی طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہو رہی تھی، لیکن نہ تو وہ کمرے سے باہر نکلی تھی اور نہ ہی کسی اور کو طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا، اسی لئے دن گزرتے رہے اور اس کی صحت گرتی رہی، اسے اپنی کمزوری اور نقاہت کا احساس تو تھا، مگر اپنا خیال رکھنے کا احساس نہیں تھا، اسے بس اپنوں سے جدائی اور رسم اور روایات کے ٹوٹنے کا غم کھائے جا رہا تھا، وہ دن بھر بس یہی سوچتی رہتی تھی، اب تو دماغ بھی چکرانے لگا تھا۔ پہلے اس کی یہ حالت گھر والوں نے نوٹ کی تھی اور آج...... آج تو ہارون بھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

ظہر کا وقت تھا جب وہ شہر سے گاؤں آیا تھا، پہلی ملاقات چچا سائیں اور ابا سائیں سے ہوئی تھی، وہ لوگ کسی پنچائیت سے واپس آئے تھے، ان سے مل کر بڑی اماں کو سلام کرتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ شہر بانو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتی ہوئی گہری سوچ میں گم تھی، دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ بھی اس کی سوچ کا تسلسل نہیں ٹوٹا تھا۔ ہارون اسے اس حال میں دیکھ کر چونک ہی تو گیا تھا، کیونکہ وہ اسے اچھے بھلے حال میں چھوڑ گیا تھا، اس کی صحت بھی ٹھیک ٹھاک تھی، لیکن اب تو وہ کافی بیمار نظر آ رہی تھی۔

''السلام علیکم!''اس نے اپنے اور شہر بانو کے درمیان موجود خفگی اور غصے کی دیوار کے باوجود سلام کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا، شہر بانو نے یکدم چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''اس کی طرف سے سلام کا جواب نہ پا کر اس نے دوسرا سوال کر ڈالا، مگر یہاں تو دوسرے سوال کا جواب بھی ندارد...... ہارون بیڈ کی پائنتی والی سائیڈ سے گھوم کر اس کی سائیڈ میں آیا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

''لگتا ہے آپ کی طبیعت خراب رہی ہے؟ آپ کی صحت بہت ڈاؤن لگ رہی ہے۔''اس نے بہت ہی نارمل سے انداز میں فوراً ہی اپنی تشویش کا اظہار کر دیا تھا۔

''میری صحت ڈاؤن ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ زندہ تو ہوں۔''وہ تلخی سے کہتی بیڈ سے اٹھنے لگی تھی کہ ہارون نے اس کا ہاتھ سختی سے تھام لیا تھا۔

''شہر بانو آپ کی اس بدگمانی اور خفگی کی وجہ سے میں اتنے دن حویلی نہیں آیا، مجھے پتہ ہے کہ آپ کو مجھ سے چڑ ہو گی، مجھ پہ بار بار غصہ آئے گا، جس کی وجہ سے میرا موڈ بھی آف ہو گا۔ تو اس سے بہتر تھا کہ ہم لوگوں کا سامنا ہی نہ ہوتا، لیکن ایک انسان اپنے گھر سے کتنی دیر دور رہ سکتا ہے۔ میں بھی آج چلا آیا، آپ کی خفگی اور بدگمانی مٹانے کے ارادے سے۔''وہ اس کا ہاتھ نرمی سے دبا رہا تھا۔

''اونہہ بدگمانی مٹانے کے ارادے سے، جس طرح آپ اپنے گھر سے دور نہیں رہ سکتے تھے، اسی طرح میں بھی نہیں رہ سکتی، میرا بھی دل چاہتا ہے اپنوں سے ملنے کو، اپنے گھر جانے کو، سب کو دیکھنے کے لئے میں بھی تڑپتی ہوں۔''وہ دبے لہجے میں چیخ کر کہتی اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''میں آپ کو اپنوں سے ملنے سے کبھی نہ روکتا، اگر ان کے عزائم اچھے ہوتے، اگر وہ آپ کو دوبارہ میرے پاس آنے دیتے، میں آپ کا جانا تھوڑی دیر کے لئے تو افورڈ کر سکتا ہوں، مگر ہمیشہ کے لئے نہیں۔''اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''مگر میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

''مگر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔''وہ اس کے ہاتھ کو نرمی سے قریب کرتے ہوئے ہاتھ کی پشت پہ بوسہ دے چکا تھا، شہر بانو گنگ سی ہو گئی تھی، اس کے ہونٹوں کا لمس جسم میں سنسنی سی بھر گیا تھا، اس کے سارے احتجاج اور بدگمانیاں جیسے ٹھٹھر کے رہ گئی تھیں کہ یہ کیا ہوا ہے؟

''پلیز میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔''وہ مرے مرے لہجے میں بمشکل بولی تھی۔

''اتنے دنوں بعد آیا ہوں، ملیں گی نہیں مجھ سے؟''اس کے کہنے کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ شہر بانو چہرہ جھکانے پہ مجبور ہو گئی تھی اور ہارون نے اتنے نازک فسوں خیز لمحوں کو رفتہ رفتہ اپنی دسترس میں لینا شروع کر دیا تھا۔ مسلسل اتنے دنوں سے ذہنی جنگ لڑ لڑ کر دونوں ہی تھک چکے تھے، اک دوسرے کے قرب کا سہارا ملا تو انکار نہیں ہو سکا تھا۔ شہر بانو تو تھی ہی نرم مزاج، وہ سختی کا خول چڑھا ہی نہیں سکتی تھی، بس باپ کی بیماری کا سن کر اتنی تلخ ہو گئی تھی اور یہ تو اس کا حق بنتا تھا کہ اس طرح غصہ کرے کیونکہ ایسے حالات میں تو بندہ نہ جانے کیا کیا کر ڈالتا ہے، اس نے تو پھر صرف غصہ ہی کیا تھا، اور ہارون کو بھی اس کے غصہ ختم ہونے کا انتظار تھا، تا کہ وہ آرام سے اسے دوبارہ سمجھا سکے، لیکن پہلے اس نے پیار بھرے انداز میں سمجھانا شروع کیا تھا۔

''بیٹا تم اور کچھ نہ کرو بس شہر بانو کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، اس کا چیک اپ کرواؤ، کیا مسئلہ ہے اسے، وہ اتنی کمزور اور زرد کیوں ہو رہی ہے؟'' اماں سائیں نے ناشتے کی میز پہ پہلا ذکر یہی کیا تھا کہ شہر بانو بیمار لگتی ہے، جواباً سبھی نے ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''ٹھیک ہے اس بار شہر جاتے ہوئے اسے بھی ساتھ لے جاؤں گا'' آپ بھی ساتھ چلئے گا، پھر آپ لوگوں کو واپس بھیج دوں گا اور خود وہیں رک جاؤں گا'' اس نے پروگرام ترتیب دیا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اس کے لئے چائے بنانے لگیں۔ مگر وہ لوگ ابھی پروگرام ہی بنا رہے تھے کہ شہر بانو کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، آج صبح سے اسے بار بار ابکائی آ رہی تھی، جس کی وجہ سے وہ مزید نقاہت کا شکار ہوئی تھی اور بلڈ پریشر بھی لو ہو گیا تھا، ملازمہ معمول کے مطابق اس کا ناشتہ دینے کمرے میں گئی تو اس کو نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر الٹے پیر بھاگی تھی۔

''صاحب جی! وہ بی بی جی بہت بیمار ہیں بے ہوش پڑی ہیں۔'' رضیہ ہانپ رہی تھی، ہارون پریشان ہوتا فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا، اماں سائیں، چچی اماں اور ثانیہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، ہارون صبح سویرے ہی بیڈ روم سے نکل آتا تھا، کبھی زمینوں کی طرف نکل جاتا تھا اور کبھی حویلی کے لان میں ہی گھاس اور شبنم کو روندتے ہوئے باتوں میں وقت گزار دیتا تھا، آج بھی وہ زمینوں کی طرف گیا تھا اور واپسی پہ ان کے ساتھ ہی ناشتہ کرنے بیٹھ گیا تھا اور اب اس کی طبیعت کی خرابی کا پتہ چلا تو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تھا، کیونکہ شہر بانو کی طبیعت فجر سے ہی خراب لگ رہی تھی، وہ دو بار اٹھ کر باتھ روم گئی تھی اور وہ اسے میڈیسن لینے کا مشورہ دے کر باہر چلا آیا تھا۔

''کیا ہوا ہے شہر بانو؟ بیٹا آنکھیں کھولو۔'' ہارون نے اسے بیڈ پہ ڈالا تو اماں سائیں نے فکرمندی سے اس کا ہاتھ تھام کر سہلایا تھا، اس کا گال تھپکا۔

''رضیہ ادھر آؤ۔'' چچی اماں نے شہر بانو کو اک نظر دیکھ کر کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

''جاؤ وہ لیڈی ڈاکٹر ہمارے گاؤں میں رہتی ہے اسے بلا کر لاؤ۔'' لیڈی ڈاکٹر کے ذکر پہ اماں سائیں اور ہارون بیک وقت چونکے تھے۔

''چچی اماں؟'' ہارون نے کچھ کہنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا تھا۔

''تم باہر جاؤ بیٹا، یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' ہارون ان کے ٹوکنے پہ شرمندہ سا ہو کر باہر آ گیا تھا اور پھر سچ مچ چچی اماں کے شک نے انہیں ایک خوشخبری سنا ڈالی تھی، جس سے وہ سبھی لوگ ہی نہیں ہارون بھی بے انتہا خوش ہوا تھا اور بڑی اماں تو واری صدقے ہو رہی تھیں، انہوں نے بے ہوش پڑی شہر بانو کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔

◈......◈......◈

''لگتا ہے آپ اس خوشخبری سے خوش نہیں ہیں؟'' ہارون پہلی نظر میں ہی شہر بانو کا گم سم رویہ دیکھ کر جان گیا تھا۔ وہ کچھ بھی کہنے کی بجائے خاموش رہی تھی، آج وہ لوگ شہر جا رہے تھے، اماں سائیں اس کا مکمل چیک اپ کروانا چاہتی تھیں، اس کے لئے بیڈ ریسٹ اور غذا وغیرہ کی تفصیل جاننا چاہتی تھیں، جبکہ شہر بانو کو اس چیز کی کوئی خوشی نہیں تھی، الٹا اپنا آپ قیدی نظر آنے لگا تھا۔

''مگر شہر بانو میں بہت خوش ہوں، اللہ نے میری بہت بڑی خواہش پوری کی ہے، ہمارا بچہ، ہماری تکمیل کرے گا اور ہمیں مزید قریب لے کر آئے گا، ہمارا رشتہ اور بھی مضبوط ہوگا، ہماری زندگی مکمل ہو جائے گی۔'' وہ دل کی گہرائیوں سے اظہار کرتا اسے دونوں کندھوں سے تھام چکا تھا، جبکہ وہ تو ہارون کی شکل دیکھنے سے بھی کتراتی تھی اس وقت بھی نظر چرا گئی تھی۔

''شہر بانو مجھے اپنا سمجھو، میں تمہارا ہوں اور کبھی تمہارا بُرا نہیں چاہوں گا، تم مجھ سے بدگمان نہ رہا کرو، میرا دل بجھ جاتا ہے۔'' وہ اتنی بڑی خوشخبری پا کر جذباتی پن کا مظاہرہ کر رہا تھا اور آج پہلی بار آپ سے ''تم'' تک آیا تھا، شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اب ان کے بیچ کے فاصلے مٹ گئے ہیں، مگر! اماں سائیں ساتھ جانے سے کترا تو رہی تھیں، مگر ہارون تسلی کے لئے زبردستی ان کو ساتھ لے آیا تھا، پہلا دن تو انہوں نے گھر پہ ہی گزارا تھا اور ڈاکٹر سے ٹائم لے لیا تھا۔ دوسرے دن عصر اور مغرب کے درمیان وہ لوگ ہسپتال جانے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

''ہسپتال اچھا ہے نا؟'' اماں سائیں کے سوال پہ وہ بے اختیار ہنس دیا تھا۔

''نہیں میں آپ کو سرکاری ہسپتال لے کر جا رہا ہوں، وہ بھلا اچھا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''پگلے میرے کہنے کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر تو ماہر ہے نا؟ کئی ایسی بھی ہوتی ہیں جو نئی نئی سیکھ رہی ہوتی ہیں اور لوگوں کی جان خطرے میں ڈال دیتی ہیں۔'' اماں سائیں نے مسکرا کر کہا۔

''اماں سائیں جس طرح میں آپ کو بہت پیارا ہوں اسی طرح مجھے بھی تو اپنی اولاد پیاری ہے۔'' اس نے دلچسپی سے کہتے ہوئے شہر بانو کی طرف دیکھا جو ان ماں، بیٹے کی گفتگو سے یکسر انجان اور لاتعلق بنی بیٹھی تھی، سارا راستہ یونہی کٹ گیا تھا، ہسپتال پہنچ کر ہارون پھر اپنے سنجیدہ موڈ میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت اور چیک اپ کے مطابق چند ابتدائی ٹیسٹ کروائے، الٹرا ساؤنڈ کروایا اور پھر مثبت رپورٹ لے کر وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے، البتہ شہر بانو کی کمزوری کے پیش نظر ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں تجویز کی تھیں جو ہسپتال سے فوری نہیں مل سکی تھیں، لہٰذا ہارون نے سڑک پار بنے چند میڈیکل سٹورز کی طرف رجوع کیا تھا۔

''آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں میں دوائی لے کر آتا ہوں۔'' وہ دروازہ کھول کر ان کو بٹھا کے سڑک کراس کر گیا تھا۔

ابھی اسے گئے چھ، سات منٹ ہی ہوئے تھے کہ ان کی گاڑی کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا۔

''لالہ جی!'' شہر بانو چکرا گئی تھی۔

''نیچے اترو شہر بانو!'' وہ عجلت میں بولے تھے۔

''مگر لالہ جی......''

''شہر بانو نیچے اترو۔'' وہ اس کی بات سنے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی سمت کھینچ چکے تھے، ایسے میں اماں سائیں تڑپ اٹھی تھیں، وہ شہر بانو کی حالت سے واقف جو تھیں، ''ماں جی آپ آرام سے بیٹھی رہیں، ہم آپ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مگر اپنے بیٹے کو اتنا بتا دیجئے گا کہ کسی پہ اچانک حملہ نہیں کرنا چاہئے، بندہ سنبھل نہیں پاتا۔'' وہ ایک ہی بات میں اپنا حملہ اور ہارون کا حملہ بھی واضح کر گئے تھے، اماں سائیں نے انہیں روکنے کی پیچھے

جانے کی کوشش کی، نگران کے ساتھ مسلح افراد تھے، شہر بانو کبھی اماں سائیں کی تڑپ اور کبھی لالہ جی کا غصہ دیکھتی گھسٹتی چلی گئی تھی، اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ اچانک کیا ہوا ہے؟ وہ تو یہ بھی نہ جان سکی کہ اچھا ہوا یا بُرا؟

ہارون کے لئے سچ مچ یہ حملہ بہت کاری تھا اور اس سے حملے سے سنبھلنا بھی بہت مشکل کام تھا، مگر ہارون نے یہ حملہ سہہ کر دوسروں کو بھی سنبھالا تھا اور اپنے آپ کو بھی...... وہ چاہتا تو ان کے اس ایکشن کا ری ایکشن لے سکتا تھا، وہ پولیس کی مدد سے بھی اپنی بیوی، اپنی منکوحہ پہ حق جتا سکتا تھا، مگر اس نے جان بوجھ کر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ وہ لوگ شہر بانو کی کنڈیشن جان لینے کے بعد زیادہ دن اپنے پاس نہیں رکھیں گے اور ویسے بھی وہ اس مسئلے کو اچھالنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ شہر بانو اب ان کی نہیں ہارون کی اپنی عزت تھی اور اسے یہ بھی پتہ تھا کہ جس زنجیر میں شہر بانو بندھ چکی ہے وہ اتنی کمزور نہیں کہ اس سے رہائی ممکن ہو...... شاید اسی لئے وہ کافی حد تک ریلیکس تھا، کیونکہ اگر وہ لوگ کوئی حتمی فیصلہ کرنا بھی چاہتے تو انہیں سو بار سوچنا تھا۔

اور یہ سچ ہی تو تھا شہر بانو کے واپس آنے کی خوشی سب کو ہوئی تھی، سبھی باری باری اس سے ملنے آئے تھے اور سبھی کو اس کی کمزور حالت اور زرد رنگت پہ افسوس ہوا تھا کہ ان کی بیٹی غم میں گھل کر آدھی رہ گئی ہے، مگر جب عورتوں پہ اصل بات کا انکشاف ہوا تو وہ بدک کے رہ گئی تھیں۔

''بچہ؟ اس کم بخت کا بچہ اٹھا لائی ہو تم؟ تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم اپنے بھائیوں کا، اپنے باپ کا صدقہ تھیں، تم اپنا آپ بھی نہ سنبھال سکیں؟ داغ لگا کے رکھ دیا ہے اس لڑی (نسل) کو۔'' چچی بیگم نے اپنا سینہ پیٹ ڈالا تھا اور شہر بانو گھبرا کر ان کی شکل دیکھنے لگی اور پھر یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ سب عورتوں کا جمگھٹا سا لگ گیا تھا، جس میں مجرم شہر بانو سر جھکائے شرمندہ سی مر جانے کو تیار بیٹھی تھی۔

''کاش تم مر جاؤ، ہارون گردیزی تم نے مجھے میرے اپنوں کی نظروں میں گرا دیا ہے، میں مجرم بن گئی ہوں۔'' اس نے دل ہی دل میں ہارون کو بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی، مگر دل اتنا بھر آیا تھا کہ آنسوؤں کو رکنے کے لئے جگہ نہ ملی تھی اور وہ چھلک آئے تھے۔

''امی کیا ضروری ہے کہ آپ ہر کام میں مداخلت کریں؟ اس میں شہر بانو کا کیا قصور ہے؟'' زہرا اس کے قریب آتے ہوئے اس کی ڈھال بن گئی تھی اور اپنی ماں سے خفا ہونے لگی۔

''ارے قصور کیوں نہیں ہے؟ یہ اسے منع بھی تو......''

''پلیز امی اللہ کے لئے کچھ تو خیال کر لیں یہاں کنواری، غیر شادی شدہ لڑکیاں بھی ہیں۔'' اس نے سب کی سمت اشارہ کیا تھا جو شہر بانو کا تماشا دیکھنے کے لئے دلچسپی سے کھڑی تھیں۔

''ٹھیک ہے بی بی میں کچھ نہیں کہتی، مرد لوگ خود کہہ لیں گے۔'' وہ تنفر سے کہتی کھڑی ہو گئیں۔

''مرد لوگ کیا کہیں گے؟ یہ اس کی بیوی بن کے گئی تھی بہن نہیں، اور بیوی پہ وہ ہر حق جتا سکتا تھا، ایک چھت تلے رہتے ہوئے وہ اتنا بھی مولوی یا پرہیزگار نہیں تھا کہ اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا، اور عورت کہاں اور کب تک بھاگ سکتی ہے؟ مرد سے؟'' زہرا نے لڑکیوں کے جاتے ہی اپنی ماں کو

صاف صاف سنائی تھیں۔

شہر بانو اور ماں جی تو زہرا کی مشکور ہو گئی تھیں، لیکن زہرا بے شک زبان کی تلخ و تیز تھی، مگر دل کی کھری تھی، وہ پہلے بھی شہر بانو کا بھلا ہی چاہتی تھی اور اب بھی وہ اسی کے حق میں بول رہی تھی، وہ اسے ساتھ لے کر اندر کمرے میں چلی گئی تھی، جبکہ پیچھے سرگوشیاں اور باتیں شروع ہو گی تھیں۔

❁......❁......❁

شہر بانو کو واپس آئے ہوئے تین ماہ ہو چکے تھے، مگر ان تین ماہ میں اس نے جی بھر کے خفت، شرمندگی اور ذلت دیکھی تھی، وہ اپنے ہی گھر میں "چوروں اور مجرموں" کی طرح رہ رہی تھی، گھر کے کسی بھی مرد کے سامنے نہیں جا سکتی تھی، کسی خوشی اور غمی کا حصہ نہیں بن سکتی تھی، تینوں چچیاں اور دونوں پھوپھیاں بھی اس کو دھتکار بیٹھی تھیں، صرف ماں جی اس کے لئے سسکتی اور تڑپتی تھیں، انہیں پتہ تھا وہ کس حالت میں ہے، مگر پھر بھی پریشان اور فکر مند رہتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی صحت بہت ہی خراب رہنے لگی تھی، وہ اسے بہت سمجھاتی تھیں، تسلی دیتیں، مگر اسے یوں سب کی نظروں سے گر کر جینا بہت محال لگنے لگا تھا، وہ اپنے لئے بددعائیں مانگتی تھی اور ماں جی کا کلیجہ کانپ جاتا تھا۔

اسی پریشانی اور ٹینشن میں سارے دن گزر گئے اور شہر بانو کے ہاں بہت ہی پیارا سا بیٹا پیدا ہوا تھا، جس کی پیدائش کی خبر سن کر سب حویلی والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"مبارک ہو شہر بانو تمہارا بیٹا بہت ہی پیارا ہے، اپنے ماں، باپ پہ گیا ہے۔" زہرا نے کھلے دل سے سراہا اور نومولود بچے کو اٹھا کر پیار بھی کیا تھا۔ شہر بانو بے ساختہ رو پڑی تھی۔ اتنے بھرے پرے خاندان میں سے اس کی سماعتوں کو صرف ایک مبارک سننے کو ملی تھی۔

"کہتے ہیں بیٹے، باپ کا عکس ہوتے ہیں اور بیٹیاں ماں کا...... یہ بھی اپنے باپ کا عکس ہی لگ رہا ہے۔" زہرا بچے کو بغور دیکھ کر مسکرائی تھی اور پھر شہر بانو کی گود میں ڈال دیا تھا۔ اور بچے کے معصوم چہرے پہ جیسے ہی شہر بانو کی نظر پڑی اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی، اسے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اگر یہی بچہ ہارون گردیزی کی حویلی میں پیدا ہوا ہوتا تو کئی دن تک پورے گاؤں میں جشن منایا جاتا، صدقے دیئے جاتے، نظر اتاری جاتی، لیکن یہاں اس کی پیدائش کی خبر سن کر ہر ماتھے پہ سلوٹ اور ہر چہرے پہ ناگواری کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا، سوائے ماں جی اور زہرا کے۔

"شہر بانو پاگل ہو گئی ہو کیا؟" زہرا نے اس کا کندھا ہلایا تھا، شہر بانو کے آنسو بچے کے نرم و ملائم چہرے پہ تواتر سے گر رہے تھے اور اس نے کسمسانا شروع کر دیا۔

"کاش ہارون گردیزی نے ہمیں دھوکہ نہ دیا ہوتا، اور اگر دے ہی دیا تھا تو پھر میں یہاں دوبارہ واپس نہ آئی ہوتی، زہرا آپی مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا، سب مجھے قصوروار سمجھتے ہیں، کیا میں نے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ایسا کچھ کرے؟ پہلے سب کی ناگواری میرے لئے تھی، اب...... اب میرے بچے کے لئے ہو گی، میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" وہ پھر سے بلک اٹھی تھی۔

"اس کے پاس واپس چلی جاؤ؟" زہرا نے سیدھا سیدھا حل بتایا۔

"کیا؟" وہ بدک گئی تھی۔

''ہاں شہر بانو اب اگر تم مر بھی جاؤ تو تمہیں وہ پہلے جیسا مقام حاصل نہیں ہو سکتا، قاسم لالہ تمہیں تمہاری چاہت یا اپنائیت میں واپس نہیں لے آئے، بلکہ ہارون گردیزی کی ضد اور انتقام میں واپس لے کر آئے ہیں، تا کہ اسے شکست دے سکیں۔ لیکن شہر بانو جو شخص ساری زندگی تمہیں جانتا تک نہیں تھا، تمہارا نام بھی پتہ نہیں تھا، پھر بھی وہ تمہارے بھلے کے لیے تمہاری زندگی کو ایک فضول رسم سے بچانے کے لئے سب کے سامنے ڈٹ گیا تھا اور اپنے فیصلے پہ قائم بھی رہا۔ پلیز...... پلیز شہر بانو اسے شکست سے دوچار مت کرنا، اسے ہارنے مت دینا، پلیز میری بات پہ دھیان دینا اور اس کے فیصلے میں اس کا ساتھ دے کر اپنے رشتے کو مزید مضبوط بنا دو، ورنہ تم نہ یہاں کی رہو گی نہ وہاں کی۔'' زہرا نے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں تم سب کو چھوڑ کر اپنے بچے کے بارے میں سوچو، جس کو تم یہاں اس حویلی میں رہ کر بھی کوئی مقام نہیں دلا سکو گی، جو اتنے بڑے خاندان اور جاگیر کا وارث ہے وہ یہاں ایک ملازم بن کر رہ جائے گا، صرف تمہاری نادانی کی وجہ سے، کیونکہ بیٹیاں تو ہمیشہ ہی ماں، باپ کا گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہیں، ہر بیٹی کو رخصت ہونا ہی ہوتا ہے، تم انوکھی تو نہیں ہو جو یہاں سے جاؤ گی، ہر بیٹی پہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ماں، باپ کا کہا مانے اور ان کی عزت کی لاج رکھے، تم نے بھی یہ سب کیا، ان کے کہنے پہ ہارون گردیزی سے شادی کی اور ان کی لاج رکھی۔ اب یہ ہارون گردیزی کا مسئلہ تھا کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ تم اس کی بیوی ہو اور بیوی ہونے کے ناطے تم پہ فرض ہے کہ تم اس کا کہنا مانو اور اس کا ساتھ دو، اب تم پہ زیادہ حق تمہارے ماں، باپ کا نہیں تمہارے شوہر کا ہے اور تمہارا شوہر غلط بھی نہیں ہے، اس نے اگر ہماری اس ''صدقہ رسم'' کو توڑا ہے تو اچھا کیا ہے، کیونکہ اس رسم کا ذکر نہ تو ہم نے قرآن پاک میں پڑھا ہے اور نہ ہی حدیث وغیرہ میں، یہ سراسر خود ساختہ رسم ہے جو ہم لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

جس نے پھوپھی فاطمہ کو نگل لیا ہے، جس سے تم بچ گئی ہو اور جو قاسم لالہ کی بیٹی زرینہ کو نگلنے کے لئے تیار کھڑی ہے، شہر بانو اپنے اور اپنے بچے کے بارے میں نہ سہی، مگر ایک بار دس سالہ زرینہ کے بارے میں ضرور سوچنا جو آئندہ اس رسم کی بھینٹ چڑھنے والی ہے، اور ہاں یہ سب میں تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کہ قاسم لالہ کے کہنے پہ میرے ابا سائیں (سید سراج حسین) چند دنوں تک ہارون گردیزی سے تمہاری طلاق کی بات کرنے جا رہے ہیں، اب یہ فیصلہ تم پہ ہے کہ تم نے طلاق لینی ہے یا اس کے ساتھ اس کی سہاگن بن کے رہنا ہے؟ اور یہ بھی مت بھولنا کہ میں اور تائی اماں تمہارے ساتھ ہیں۔'' زہرا صاف صاف لفظوں میں سب کچھ کہہ کر اسے بیچ منجدھار چھوڑ کر چلی گئی تھی، شہر بانو سوچ کے سمندر میں اکیلی ڈوب رہی تھی اور اس سمندر میں ایک ہی جزیرہ تھا۔ ''ہارون گردیزی'' جو اسے پناہ دے سکتا تھا، کھلے دل سے! اور اس سمندر میں ایک ہی بھنور تھا۔ ''طلاق'' جس میں ڈوب کر وہ اور بھی بیٹیوں کو ڈبو سکتی تھی!

◈......◈......◈

سید معراج حسین بیٹی کی طلاق کے حق میں نہیں تھے، انہوں نے سید سراج حسین اور سید قاسم حسین کا فیصلہ سنا تو انہیں روکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ قائل نہیں ہوئے تھے، حالانکہ انہوں نے بہت کوشش کی تھی۔

''جو بات جہاں ہے اسے وہاں ہی رہنے دو قاسم حسین ہماری لڑی میں طلاق کو بہت بُرا سمجھا جاتا ہے اور یہ بُرا عمل شہر بانو کے پلو سے

مت باندھو۔'' وہ تھکے تھکے سے بولے تھے۔

''ہماری لڑی میں تو صدقہ رسم کے ٹوٹنے کو بھی بُرا سمجھا جاتا ہے ابا سائیں؟''

''لیکن قاسم حسین بہتر ہے کہ اس معاملے کو دبا رہنے دو، کیوں چھیڑ رہے ہو دوبارہ سے؟''

''اس لئے چھیڑ رہا ہوں کہ ہارون گردیزی بہت سکون کی زندگی جی رہا ہے، وہ ابھی بھی شہر بانو کو اپنا حق سمجھے بیٹھا ہے، لیکن میں اس کا ہر حق ختم کر دینا چاہتا ہوں ہمیشہ کے لئے۔'' قاسم حسین کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

''شہر بانو سے پوچھا تم نے؟ وہ کیا چاہتی ہے؟'' سید معراج حسین بہت سمجھ دار آدمی تھے، انہیں پتہ تھا کہ شہر بانو اب اکیلی نہیں ہے اس کا بیٹا بھی ہے۔

''وہ خود اس سے نفرت کرتی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور اگر ایسا کرے گی تو ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے مر جائے گی۔''

سید قاسم حسین غصے سے لال ہو رہے تھے اور سید معراج حسین چپ سے ہو گئے تھے اور پھر سید قاسم کے کہنے پہ سید سراج حسین نے ہارون گردیزی کے ساتھ ایک میٹنگ طے کی اور مقررہ وقت پہ اس کے شہر والے گھر پہ چلے آئے تھے۔

◈......◈......◈

طلاق کا لفظ ابھی بھی ہارون کے دماغ کو چبھن دے رہا تھا، جب سے سید سراج حسین گئے تھے وہ مسلسل اسی لفظ کے متعلق سوچ رہا تھا، اور ساتھ ساتھ یہ بھی خدشہ پل رہا تھا کہ اگر شہر بانو نے کہہ دیا کہ وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو پھر، پھر میں اسے کیسے کنوینس کروں گا؟ اور میرے بیٹے کا کیا ہوگا؟ وہ ساری زندگی یا تو ماں کے پاس رہے گا یا پھر باپ کے پاس، اُف خدایا، اپنا کرم کرنا مجھ پر!

وہ راکنگ چیئر پہ جھولتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام چکا تھا۔ اسے صبح حویلی جانا تھا شہر بانو سے ملنے، اور ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس مسئلے کا اصل حل کیا ہوگا؟ شہر بانو کو یہاں سے گئے ہوئے سات ماہ ہو چکے تھے اور اب تو اس کا بیٹا تقریباً دو ماہ کا ہونے والا تھا اور ہارون نے ابھی تک نہ شہر بانو کو ممتا بھرے انداز میں دیکھا تھا اور نہ ہی بیٹے کی شکل دیکھ کر دل سیراب کیا تھا، بلکہ ایسا دل سیراب کرنے کے لئے تو ہارون گردیزی کے گھر والے بھی ترستے تھے، رحمان گردیزی، زمان گردیزی اور بڑی اماں تو بات بات پہ اپنے پوتے کا ذکر کرتے تھے جو انہیں چاہ کر بھی مل نہیں رہا تھا اور یہی بات ہارون کو ڈسٹرب کئے ہوئے تھی، وہ حقیقتاً پریشان تھا کہ فیصلہ کیا ہوگا، کیونکہ وہ خود بھی سید سراج حسین سے وعدہ کر چکا تھا، مردوں والا وعدہ!

◈......◈......◈

''بی بی جی آپ کو چھوٹے سائیں نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔'' شہر بانو صبح بچے کو ماں جی کے حوالے کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرنے بیٹھ جاتی تھی اور سورج کی کرنیں نکلنے تک تلاوت کرتی رہتی تھی، ابھی بھی وہ سیپارہ ختم کرتے ہوئے قرآن پاک جزدان میں لپیٹ رہی تھی، جب ملازمہ نے آکر اطلاع دی تھی اور چچا سائیں کے بلاوے کا سن کر شہر بانو کا دل کانپ گیا تھا، اتنے عرصے میں پہلی بار انہوں نے اسے بلایا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو بیٹا؟''

''وہ ماں جی چچا سائیں نے بلایا ہے۔'' شہر بانو جاتے جاتے ٹھہر گئی تھی۔

''خیریت تو ہے؟''

''پتہ نہیں ماں جی میں بات سن کر آتی ہوں، آپ عثمان کا خیال رکھئے گا۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی، لیکن ماں جی کے ماتھے پہ تفکر کی لکیریں بن گئی تھیں۔

''میں اندر آسکتی ہوں چچا سائیں؟'' اس نے دستک دے کر پوچھا تھا۔

''آجاؤ شہر بانو، بیٹھو یہاں۔'' انہوں نے سامنے صوفے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''جی آپ نے بلایا تھا مجھے؟'' اس نے سر جھکاتے ہوئے بمشکل پوچھا۔

''ہاں تمہیں یہ بتانے کے لئے بلایا تھا کہ آج دوپہر کو ہارون گردیزی یہاں حویلی آ رہا ہے تم سے ملنے اور شاید کوئی بات کرنے، لیکن بیٹا ہم نے تم سے صرف اتنا کہنا ہے کہ ہم نے تمہاری طلاق کا مطالبہ کیا ہے اس سے اور اب تم نے ہماری ہاں میں ہاں ملا کر ہمارے فیصلے اور مطالبے کی تصدیق کرنی ہے، اسے ہر حال میں طلاق دینا ہی پڑے گی، وہ چاہے کچھ بھی کہے، اس کی باتوں میں مت آنا، ہم اس سے کہہ چکے ہیں کہ تم بھی اس فیصلے میں رضامند ہو، تم اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔'' سید سراج حسین نے اپنے کہے کو سچ ثابت کرنے کے لئے شہر بانو کو جھوٹ پہ اکسایا تھا، وہ بھی کافی رعب اور بے نیازی سے۔

''ٹھیک ہے اب تم جاؤ، جب وہ آئے گا تو تمہیں بلا لیں گے۔'' شہر بانو کو فیصلے کی سولی پہ لٹکا کر وہاں سے جانے کا حکم دے دیا تھا اور فیصلہ بھی کیسا؟ جس پہ عمل پیرا تو وہ پہلے ہی ہو چکے تھے، اب تو آخری قدم باقی تھا، لیکن اس آخری قدم کا سن کر شہر بانو کے قدم واپس اپنے کمرے میں جاتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے، اس کے ہاتھ برف ہونے لگے تھے۔

''شہر بانو'' پیچھے سے زہرا نے پکارا۔

''صبح صبح ابا سائیں کے کمرے میں؟ خیریت تو ہے نا؟'' وہ خود ہی اس کے قریب آ گئی تھی، لیکن شہر بانو نے کچھ بھی کہنے کی بجائے اس کی سمت خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا، گم سم اور نا سمجھ سے انداز میں دیکھنے کے بعد وہ خاموشی سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی آئی جہاں عثمان نے رو رو کر بُرا حال کر رکھا تھا اور ماں جی اسے چپ کراتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے شہر بانو؟ ابا سائیں نے کس لئے بلایا تھا؟'' زہرا اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔

''بولو نا کیا بات کہی انہوں نے؟'' اسے بے چینی ہونے لگی تھی۔

''ہارون گردیزی سے میری طلاق کی بات کر کے آئے ہیں اور وہ آج یہاں حویلی آ رہا ہے مجھ سے تصدیق حاصل کرنے کے لئے کہ کیا میں طلاق چاہتی ہوں یا نہیں؟'' اس نے سپاٹ سے انداز میں بتایا تھا۔

''اور بابا سائیں نے کیا کہا تم سے؟''

''کہ میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میں اس فیصلے میں برابر کی شریک ہوں۔''شہر بانو نے کہتے ہوئے اک نظر روتے بلکتے عثمان کی سمت دیکھا۔

''نہیں شہر بانو تم ان کے فیصلے میں ہرگز شریک نہیں ہو۔'' زہرا نے سختی سے تردید کی تھی اور ماں جی بھی حد سے زیادہ پریشان ہوگئی تھیں۔

⊛......⊛......⊛

گھر سے نکلتے وقت ہارون نے ابا سائیں اور چچا سائیں کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ شہر بانو سے ملنے حویلی جا رہا ہے اور کسی حتمی فیصلے کے لئے جا رہا ہے۔ وہ سن کر خوش تو ہوئے ہی تھے، لیکن پریشان بھی ہو گئے تھے کہ وہ ان کی حویلی اکیلا مت جائے، انتقام میں لوگ کچھ بھی کر ڈالتے ہیں، اس کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا، مگر ہارون نے انہیں تسلی دی تھی کہ وہ تمام بندوبست کر کے جا رہا ہے، اسے نقصان پہنچانے کی صورت میں وہ لوگ خود بُری طرح پھنس سکتے تھے، اور وہ ہر طرف سے مطمئن ہو کر شام چار بجے حویلی پہنچ کر حویلی کے بڑے سے گیٹ پہ ہارن دے رہا تھا۔ ''حویلی والوں'' کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لئے گیٹ کھلتا چلا گیا تھا...... حویلی کے بڑے سے لان کی سائیڈ میں بنی روش پہ چکر کاٹ کے اس کی مرسڈیز گاڑیوں کے ساتھ آرکی تھی جہاں ایک ملازمہ اس کی مدد کے لئے پہلے سے تیار کھڑی تھی، وہ گاڑی سے اترا ہی تھا کہ وہ آگے بڑھ آئی تھی۔

''آیئے صاحب جی۔'' وہ سر ہلا کر ملازمہ کے پیچھے چل دیا تھا، طویل راہداری اور ڈرائنگ روم کا احاطہ گزرنے کے بعد ملازمہ اسے گیسٹ روم میں چھوڑ گئی تھی، جہاں سید سراج حسین اور سید قاسم حسین پہلے سے موجود تھے۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے صوفے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''شکریہ۔'' وہ ریلیکس سے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

''کچھ سوچا تم نے؟'' انہوں نے نپے تلے انداز میں پوچھا تھا۔

''جو کچھ آپ سے کہہ چکا ہوں اس کے بعد سوچنے کی گنجائش نہیں نکلتی مرشد سائیں۔ اگر میری بیوی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو آپ اسے...... مر کے بھی نہیں روک سکتے اور اگر وہ میرے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے تو میں آج ہی طلاق نامے پہ سائن کر دوں گا۔'' اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

''ٹھیک ہے اگر وہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ہم سے سارے رشتے توڑ کر ہمیشہ کے لئے جا سکتی ہے اور اگر وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو تمہیں یہ رشتہ توڑ کر جانا ہوگا۔ طلاق کے کاغذات تیار رکھے ہیں ان پہ سائن کر دینا۔ چلو قاسم حسین اسے فیصلہ کرنے دو۔'' وہ ٹیبل پہ رکھے کاغذات اور پین کی سمت اشارہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور سید قاسم حسین بھی باہر نکل آئے۔ کیونکہ شہر بانو نے بھی فیصلہ سنانے کے لئے اندر آنا تھا۔ ملازمہ اس کے لئے چائے اور ساتھ میں کافی لوازمات لے کر آئی تھی، مگر ہارون کو ان چیزوں سے نہیں صرف اور صرف شہر بانو سے مطلب تھا، لیکن پھر بھی ایک اچھے مہمان کی طرح اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔ بلیک پینٹ اور وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے ہاتھ میں چائے کا کپ لئے وہ بہت شاہانہ انداز میں بیٹھا اتنا پرسکون لگ رہا تھا کہ اسے دیکھ کر شہر بانو کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ اور شاید ''دھڑکا'' بھی پہلی بار تھا۔

اور اس ''دھڑکے'' کا پتہ ہارون کو بھی چل گیا تھا، تبھی تو چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں وہ خاموش سر جھکائے کھڑی تھی۔

''شہر بانو'' وہ یکدم کپ ایک سائیڈ پہ رکھ کے صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

''کیسی ہو تم؟'' وہ اپنے دل کی لپک، اپنے دل کی تڑپ پہ قابو پاتے ہوئے اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے اس کے قریب آیا تھا، ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اتنے دنوں بعد ملنے پہ اسے اپنی بانہوں میں بھر ڈالے، تاکہ اتنے دنوں سے بے چین دل کچھ سنبھل جاتا۔

''خاموش کیوں ہو شہر بانو؟ اب تو تم اپنے گھر میں ہو، پہلے تم میری قید میں تھیں، اب میں تمہاری قید میں ہوں، جو چاہو فیصلہ سنا دو، تمہیں پورا پورا اختیار ہے، تم حاکم ہو اس وقت اور میں غلام۔'' ہارون نے بھاری سنجیدہ آواز میں کہتے ہوئے اس کو دونوں کندھوں سے تھام لیا تھا اور اس کے ہاتھوں کی سخت گرفت سے اس کی دیوار جان کو ایک مضبوط سہارا ملا تھا۔

''بولو شہر بانو کیا کرو گی آج قیدی یا آزاد؟'' اس نے اس کے کندھوں پہ دباؤ ڈالا اور اسے کچھ کہنے پہ اکسایا تھا، اس سے پہلے کہ وہ اس کا چہرہ اونچا کرتا وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی ہارون کے سینے سے لگ گئی تھی، اس کے ضبط اس کے صبر کا دامن چھوٹ چکا تھا، لیکن اس کی اس بے اختیار حرکت پہ ہارون کا بے چین دل سچ مچ سنبھل گیا تھا، اس کی لپک اس کی تڑپ کو سکون سا ملا تھا اور ''تسلی'' ہو گئی تھی کہ وہ اسے اپنا قیدی رکھنا چاہتی ہے، آزاد نہیں چھوڑ سکتی۔

''تھینک یو شہر بانو، تھینک یو سو مچ'' وہ اسے بانہوں میں بھینچتے ہوئے بے پناہ خوش ہوا تھا، شہر بانو نے اسے شکست سے بچا لیا تھا، اس نے اس کی محنت کو رائیگاں ہونے سے بچا لیا تھا، اس نے اس رسم کو توڑتے ہوئے سید قاسم حسین کی بیٹی زرینہ کو بچا لیا تھا اور نہ جانے کتنی بیٹیوں کی زندگی کو قبر بننے سے بچا لیا تھا، چاہے اس کے لئے اسے اپنوں سے ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ کرنا پڑ رہا تھا، مگر یہ سودا مہنگا نہیں تھا اور اس سودے پہ زہرا اور ماں جی بہت خوش تھیں، انہوں نے شہر بانو کا حوصلہ بڑھایا تھا اور ساتھ ہی اس کا چھوٹا موٹا سامان بھی تیار کر دیا تھا، عثمان کو نئے کپڑے پہنائے تھے اور جی بھر کے...... پیار کیا تھا۔ تب جا کر شہر بانو ہارون سے ملنے گیسٹ روم میں آئی تھی۔

''یار مجھے کیا پتہ تھا تم مجھے اتنی بے تابی اور اتنے والہانہ انداز سے ملو گی۔ ورنہ قسم سے پہلے ہی مرشد سائیں کے ساتھ یہ میٹنگ طے کر لیتا۔ بہت بڑی غلطی کی میں نے دیر کر کے۔'' وہ اپنے آپ کو شرارت سے کوس رہا تھا اور شہر بانو اس کی بات سن کر یکدم اس سے الگ ہو گئی تھی، چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ ''او کے یار کوئی بات نہیں، باقی کی کسر گھر جا کے پوری کر لینا، جب تک تم کہو گی میں تمہارے سامنے سے نہیں ہٹوں گا۔'' اس نے شہر بانو کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

''پلیز ہارون!'' وہ رخ موڑ گئی تھی۔

''ہارون کی جان۔ دل خرید لیا ہے تم نے تو'' وہ بڑے فریش موڈ اور بڑی ترنگ میں تھا، جب اس نے اسے بریک لگائے تھے۔

''کیا واپس نہیں چلنا آپ نے؟''

''چلتے ہیں یار چلتے ہیں، پہلے تم میرے شہزادے کو تو لے کر آؤ۔ تب تک میں تمہارے چچا سائیں یعنی اپنے مرشد سائیں سے مل کر معاملہ سنبھالتا ہوں۔'' وہ شہر بانو کو...... محبت بھرا لمس دے کر باہر نکل آیا تھا۔

اور شہر بانو کو ہارون کے ساتھ جانے کے لئے تیار دیکھ کر سید سراج حسین کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور سید قاسم حسین کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا ہو گیا تھا، جبکہ سید معراج حسین اور باقی سبھی افراد خاموش تھے۔ شہر بانو نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ سید معراج حسین نے اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا تھا، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اس کا کچھ بھی کہنا فضول ہے، کوئی بھی نہیں سنے گا اور شہر بانو سب پہ ایک سسکتی ہوئی نظر ڈال کر پلٹ گئی تھی، لیکن قدم بہت مضبوط تھے اور رسم کو توڑ ڈالنے کا خیال اور عزم اس سے بھی زیادہ مضبوط تھے، اس کا بیگ ہارون نے تھام رکھا تھا، جبکہ عثمان کو شہر بانو نے اپنی آغوش میں بھینچا ہوا تھا۔

''رب راکھا شہر بانو، اللہ تمہیں ہمیشہ خوش، آباد اور سدا سہاگن رکھے۔'' زہرا نے ان کی گاڑی کے قریب آتے ہوئے کہا تھا، ماں جی بھی انہیں رخصت کرنے کے لئے آئی ہوئی تھیں۔

''بہت شکریہ ماں جی۔ آپ کبھی بھی فکر مت کرنا، آپ کی بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھوں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''جیتے رہو، خوش رہو، اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' انہوں نے بہت سی دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا تھا اور ہارون ایک فرسودہ رسم کو توڑ دینے کی خوشی میں سرشار عثمان کو بار بار پیار کرتا اور شہر بانو کو شرارت سے چھیڑتا ہوا اپنے گاؤں کی سمت گامزن تھا اور شہر بانو کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر انسان کا ارادہ اور عزم نیک ہوں تو تعبیر پا ہی لیتے ہیں جیسے ہارون نے پائی تھی، کیونکہ نیک ارادہ اس نے کیا تھا اور تعبیر اللہ نے دی تھی۔

**﴿ختم شد﴾**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام آپکو تمام ڈائجسٹ ناولز اور عمران سیریز بالکل مفت پڑھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک کے ساتھ ڈاؤنلوڈ کرنے کی سہولت دیتا ہے۔ اب آپ کسی بھی ناول پر بننے والا ڈرامہ آنلائن دیکھنے کے ساتھ ڈائریکٹ ڈاؤنلوڈ لنک سے ڈاؤنلوڈ بھی کر سکتے ہیں۔
For more details kindly visit
http://www.paksociety.com